فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

مسائل غامضہ مشکلہ شرعیہ اور معضلات مہمہ اصلیہ و فرعیہ کے
سلسلۂ تحقیقات کا

(حصہ ہشتم)

المسمیٰ بہ

فتاوےٰ حائری

مرتبہ

اقل الخلیقہ بل لاشے فی الحقیقہ سید محمد رضی الرضوی القمی متعلم بی - اے
کوچۂ شیعان موچی دروازہ لاہور
ابن حجۃ الاسلام والمسلمین صدر المفسرین سرکار علامہ حائری صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمان
جسکو ۱۹۲۲ء مطابق ۱۳۴۰ھ

استفادہ مومنین کے لئے پنجاب شیعہ مشن لاہور نے چھاپکر
تقسیم کیا

RAZI

در مطبع دیوان پرنٹنگ ورکس لاہور بہتمام بابو دیوان سنگھ پرنٹر چھپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی اطلع من افاق کتابہ العزیز نیرات اوضاح العز رحفہ باثار الکرامات وکرامات لاتنکر الا تروجعلہ بحرا یخرج منہ فراید الجواہر ونفائس الدرر واعدنا بنور الافہام والالہام فتجلت منہ بواہر الایات وعجائب العبر والصلوٰۃ والسلام علی محمد ابی القاسم سید البشر الذی عبد اللہ وشکر وعلی ال المعصومین الذین ایّد اللہ بہم الدین فظہرہ

سوال :- ایک مولوی صاحب نے دوران وعظ میں شہادت حسین علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یزید بن معاویہ شہادت حسین علیہ السلام پر خوش نہیں تھا۔ بلکہ متاسف تھا۔ اور توبہ کے لئے اس قدر بھی کافی ہے۔ اس کے اس بے سروپا بیان کی کچھ اصلیت ہے بھی یا نہیں۔ تمام شیعہ سنیوں نے اسکو لعنت ملامت کی ہے +

الجواب :- لاحول ولا قوۃ الا باللہ ع ہیچ کافر نکند آنچہ مسلمان کردند۔ یزید اور اعوانِ یزید۔ آریہ۔ ہنود۔ یا مجوس نہیں تھے۔ بلکہ وہ سب مدعیانِ اسلام تالیانِ فرقان قاریان قرآن اسی خلافت راشدہ کے رکنِ رکین تھے۔ جنہوں نے انہدام اسلام اور خاندانِ رسالت کے نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ وہ لوگ اب بھی موجود ہیں۔ جو اسم ورسم نبوت ورسالت کو بزعم خود مٹا دینے کے بعد بھی مٹانے والوں کو بری الذمہ قرار دینے میں ہر طرح ساعی رہتے ہیں۔ کہیں اشتہار فروشی سے جلب منفعت کی جاتی ہے۔ کہیں منبر رسول صلعم پر ان کے برائت ذمہ کا اعلان کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کمی صرف اس بات کی ہے ؎

یک حسینے نیست تا گردد شہید ٭ ورنہ بسیار اند درعالم یزید ٭

پس مولوی صاحب کا وعظ میں ایسا کہنا جملہ اہل اسلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ شہادت حسینؑ پر یزید کا خوش ہونا، اور اہل بیت رسول صلعم کی اہانت کرنا کتب اہل سنت سے بھی ثابت ہے۔ الحق ان رضاء یزید بقتل الحسین علیہ السلام واستبشارہ بذلک، واہانتہ اہل بیت رسول اللہ مما تواتر معناہ وان کان تفصیلہ احادًا فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ کمو کتاب اول۔ یعنی یزید کا قتل حسین علیہ السلام پر راضی۔ خوش اور مسرور ہونا اہل بیت پیغمبر صلعم کی اہانت کرنا متواتر معنوی ہے۔ اگرچہ تفصیل اس کی جزء ل ہوئی ہے۔ اور ہم اس کی شان اور عدم ایمان میں متوقف نہیں

ہیں۔ بلکہ اس کو کافر جانتے ہیں۔ اس پر اور اس کے اعوان و انصار پر لعنت بھیجتے ہیں۔
صواعق محرقہ میں ابن حجر لکھتا ہے۔ کہ اہل سنت جماعت نے کفر یزید میں اختلاف
کیا ہے۔ ایک گروہ اس کو کافر کہتا ہے۔ سبط ابن جوزی نے بھی تذکرہ میں لکھا ہے
کہ مجاہد کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور امام احمد حنبل سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔
ملا علی قاری سے بھی شرح فقہ اکبر میں یہ مذکور ہے کہ یزید کافر تھا۔ فتاوی کبیر میں
جو اصول معتمدہ اہل سنت سے ہے۔ شہادت حسینؑ پر یزید کی حالت کے متعلق
جو کچھ مذکور ہے وہ خوشی اور سرور یزید پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ اکتحل یزید یوم
عاشورا بدم الحسینؑ و بالا تمد لیقر عینہ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ روز عاشورا
اکتحال یعنے آنکھوں میں سرمہ ڈالنا بھی یزید سے مستند ہے۔ تفصیل کے لئے رسالہ القتیل
اور رسالہ الذبیح ملاحظہ ہو۔ وھو العالم۔ حائری +

سوال - جناب سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا حیض و نفاس سے پاک ہونا
اہل سنت کی روایات سے ثابت ہے یا نہیں؟ اسی طرح جناب عائشہؓ صاحبہ بھی
حیض سے پاک تھیں یا نہیں مسلمات اہل سنت سے جواب دیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب - مسانید اہل سنت میں بکثرت ایسی حدیثیں موجود ہیں جن سے جناب
سیدہ معصومہ صدیقہ طاہرہ بتول عذرا سلام اللہ علیہا کا ان نجاستوں سے طاہر
اور پاک ہونا ثابت ہے۔ اوّل ابن عباس سے مروی ہے قال رسول اللہ صلعم ابنتی
فاطمہ حوراء ادمیۃ لم تحض و لم تطمث انما سماھا فاطمہ لان اللہ فطمھا
من النار اخرجہ الدولابی۔ یعنی حضور ختمی مآب فداہ روحی نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ
میری بیٹی فاطمہ انسانی حور ہے۔ جو حیض اور طمث سے پاک ہے۔ اس لئے ان کا
نام فاطمہؑ رکھا گیا۔ کہ خدا تعالے نے اس کو دوزخ کی آگ سے علیحدہ رکھا ہے +

دوم - جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ان النبی صلعم
سئل بالبتول فانا سمعنا یا رسول اللہ صلعم تقول مریم بتول و فاطمہ بتول فقال البتول
التی لم تر حمرۃ قط اھی لم تحض فان الحیض مکروہ فی بنات الانبیاء اخرجہ الحاکم
یعنی جناب ختمی رسالت فداہ روحی سے پوچھا گیا بتول کس کو کہتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ
حضور نے فرمایا ہے کہ مریمؑ اور فاطمہؑ دونوں بتول ہیں۔ پیغمبر صلعم نے ارشاد فرمایا۔
بتول وہ ہے جو سرخی یعنی حیض اور طمث سے پاک ہو۔ کیونکہ حیض نبیوں کی بیٹیوں کے
لئے مکروہ ہے +

سوم - عن اسماء بنت عمیس قالت قبلت فاطمۃ بالحسن فلم ار لھا دما فقلت یارسول اللہ لم ار لفاطمۃ دما فی حیض ولا نفاس فقال لھا صلعم ما علمت ان ابنتی طاھرۃ مطھرۃ لا یری لھا دما فی طمث (مسند اہل بیت احمد) یعنی اسماء بنت عمیس روایت کرتی ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کے تولد کے وقت میں جناب سیدہ کی دائی تھی - میں نے ان کو کسی قسم کا خون جو عورتوں کو ولادت کے وقت آیا کرتا ہے نہیں دیکھا - میں نے جناب ختمی مآب صلعم سے جاکر عرض کیا - یارسول اللہ میں نے جناب سیدہ کے لئے خون حیض اور نفاس نہیں دیکھا پیغمبر صلعم نے ارشاد کیا اے اسماء کیا تو نہیں جانتی کہ میری بیٹی پاک اور پاکیزہ ہے اسکے لئے طمث میں خون نہیں دیکھا جا سکتا +

رہا - جناب عائشہ رض صاحبہ کی طہارت دائمہ وہ صحیح ترمذی کے باب ماجاء فی ترجیل رسول اللہ صلعم میں ملاحظہ کرلیں - خود جناب عائشہ رض سے مروی ہے قالت کنت ارجل راس رسول اللہ صلعم وانا حائض یعنے جناب عائشہ صاحبہ نے کہا ہے کہ میں جناب پیغمبر صلعم کے سر مبارک میں شانہ (کنگھی) کر رہی تھی جبکہ میں حیض کی حالت میں تھی +

اصل بات یہ ہے کہ آیت تطہیر میں جناب سیدہ شامل تھیں اور عائشہ صاحبہ شامل نہیں تھیں اس لئے سیدہ تو ان نجاسات و کثافات ظاہری و باطنی - صوری و معنوی سے طاہر و مطہر تھیں - اور وہ طاہر نہ تھیں - وھو العالم - حائری +

سوال - پنجاب میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مدعی اہل بیت - نبوت رسالت مسیحیت اور مہدویت نے اپنی ذات مغل بتاتے ہوئے سلمان فارسی کی نسل کے ہونے کا دعوے کیا ہے - اور اس طرح اہل بیت میں داخل ہو کر امام مہدی خود کو بیان کرتے ہیں - اس لئے ضرورت ہے کہ امام مہدی موعود علیہ السلام کے نسب سے مطلع فرمایا جاوے - کہ وہ نسل رسول مقبول ہیں یا اولاد سلمان فارسی - بینوا و توجروا

الجواب - اصل بات یہ ہے کہ میرزا صاحب قادیانی کا مغل ہونا ان کی کتابوں سے ثابت ہے - اور وہ اسی لئے مرزا کہلاتے ہیں - رہا یہ امر کہ ان کو سلمان فارسی نسل ہونے کا کیوں دعوے کرنا پڑا - اس کی وجہ خاص یہ معلوم ہوتی ہے - متفقہ فریقین حدیثوں میں مہدی موعود کا اہل بیت ہونا وارد ہے - اب مرزا صاحب قادیانی کو یہ سوجی کہ دعوے امامت کے ساتھ اگر اہل بیت نہ بنونگا تو بنیاد مہدویت متزلزل ہو جائیگی مغل تو ہوں لگے ہاتھ السلمان منا اہل البیت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے - بس پھر کیا تھا - حضرت صاحب کی پانچوں انگھی میں - سلمان فارسی کے بیٹے بنکر اہل بیت

مرزا قادیانی مغل نسل سلمان ہونے سے اہل بیت میں شامل نہیں ہو سکتا +

ہونے کے کاذب مدعی بھی بن بیٹھے۔ مگر یہ نہ سمجھے کہ حضور ختمی رسالت روحی فداہ نے کیوں استعارہ کے رنگ میں صرف نفس سلمان ہی کو منا اہل البیت کے خطاب سے مخصوص کیا۔ اس خطاب لفظی سے سلمان کسی طرح حقیقی نسل رسول و ذریت بتول نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اُس کی اولاد اہل بیت رسول کہلا سکتی ہے۔ اصطلاح عرب میں نیک و بدعمل کی بنار پر بھی اہلبیت اور عدم اہلبیت کا اعتبار ہو سکتا ہے پسر نوح علیہ السلام کی بداعمالیوں کی بنار پر اس کی نااہلیت کو قرآن نے بیان کر دیا ہے یا نوح ھذا لیس من اھلك انه عمل غیر صالح یہاں صاف ظاہر ہے۔ کہ عمل قبیح کی وجہ سے اہلبیت سے اس کو خارج کر دیا گیا ہے سلمان کے اہل بیت قرار پانے سے اس کی نسل اور تمام مغلوں کا بھی اہلبیت میں شامل ہونا کیونکر ثابت ہوا۔ مرزا صاحب نے اس کے سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے۔ اور اس بناء فاسد پہ عمارت مہدویت کو قائم کرنا چاہا ہے۔ مگر وہ بناء الفاسد علی الفاسد کی وجہ سے قائم نہیں رہ سکتی ؂

خشت اول چون نہد معمار کج + تا ثریا مے رود دیوار کج ؛

مزید برایں مرزا قادیانی کے پاس ان حدیثوں کا کوئی جواب نہیں ہے جو باتفاق فریقین پیغمبر صلعم سے مروی ہیں۔ کہ امام مہدی آخر الزمان اولاد فاطمہؑ سے ہوگا نہ اولاد سلمان فارسی بفرضِ محال اگر بقول مغل قادیانی اہل البیت بھی تسلیم کر لی جائے۔ تو اولاد فاطمہ خود کو وہ کیونکر ثابت کرینگے۔ ایسی صورت میں کوئی بھی سچا مسلمان کسی مغل زادہ کو مخالف احادیث متواترہ مہدی موعود تسلیم نہیں کر سکتا بلکہ مرزا صاحب کے تعارض نسب کو ان کے دعوئے مہدویت کے بطلان پر سب سے زیادہ زبردست دلیل سمجھیگا۔ ذیل میں صحاح اہل سنت سے چند حدیثیں نسب مہدی موعود کے متعلق پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔ عن ام سلمہ قالت سمعت رسول اللہ صلعم یقول المھدی من عترتی من ولد فاطمہ اخرجہ ابو داؤد۔ و النسائی والبیھقی۔ والدیلمی۔ یعنی ام سلمہ سے مروی ہے کہ جناب پیغمبر صلعم کو یہ کہتے ہوئے میں نے سنا کہ مہدی موعود میری عترت اولاد فاطمہ سے ہوگا ؛

عن ام سلمہ قالت ذکرت عند رسول اللہ صلعم المھدی فقال ھو حق وھو من ولد فاطمہ رواہ ابن المنادی فی الملاحم یعنی ام سلمہ نے کہا کہ میں نے جناب ختمی نبوت فداہ روحی کے حضور میں ذکر کیا کہ امام مہدی موعود کا ہونا سچ ہے

مہدی کے اولاد فاطمہ سے ہونے کا ثبوت +

ارشاد فرمایا سچ ہے وہ فاطمہ علیہا السلام کی اولاد سے ہوگا +

عن الزہری قال المہدی من ولد فاطمہ وما الخلافۃ الا فیہم اخرجہ نعیم بن حماد الکوفی والسیوطی یعنی زہری کہتے ہیں کہ امام مہدی موعود علیہ السلام جناب سیدہ کی اولاد سے ہونگے اور خلافت ان کے سواء اور کسی کے لئے نہیں ہے +

عن مکحول عن علی قال قلت یا رسول اللہ امنا المہدی ام من غیرنا یا رسول اللہ قال بل منا یختم اللہ بہ کا بنا فتح اخرجہ ابو نعیم بن الحماد والسیوطی فی عرف الوردی یعنی مکحول جناب امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب پیغمبر صلعم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مہدی موعود ہم میں سے ہوگا۔ یا ہمارے غیر میں سے۔ حضور فداہ روحی نے ارشاد فرمایا بلکہ ہم ہی میں سے ہوگا۔ اس پہ خدا ختم کریگا جیسا کہ اُس نے ہم سے آغاز کیا ہے +

عن سعید بن المسیب قال کنا عند ام سلمہ فتذاکرنا المہدی فقالت سمعت النبی صلعم یقول المہدی من ولد فاطمہ (اخرجہ ابن ماجہ) یعنے سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ ہم جناب ام سلمہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے مہدی موعود علیہ السلام کا ذکر کر رہے تھے جناب ام سلمہ نے فرمایا۔ میں نے مخبر صادق رسالتمآب صلعم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے مہدی موعود فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا +

عن علی علیہ السلام ان النبی صلعم قال لفاطمہ المہدی من ولدک (اخرجہ ابو نعیم) یعنی جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا مہدی موعود تیری اولاد میں سے ہوگا اے فاطمہ۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلعم المہدی من عترتی من ولد فاطمہ (اخرجہ ابو داؤد) یعنی ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسالتمآب صلعم فداہ روحی نے فرمایا کہ مہدی موعود میری آل و عترت اولاد فاطمہ سے ہوگا +

عن قتادہ قلت لسعید بن المسیب احق المہدی قال نعم ہو حق قلت ممن قال قریش قلت من ای قریش قال من بنی ہاشم قلت من ای بنی ہاشم قال من ولد عبد المطلب قلت من ای عبد المطلب قال من اولاد فاطمہ قلت من ای اولاد فاطمہ قال (مسلسلہ) رواہ المناری فی الملاحم یعنے قتادہ کہتے ہیں کہ مینے سعید بن المسیب سے کہا آیا مہدی موعود کا ہونا حق ہے وہ کہنے لگے ہاں ان کا ہونا حق ہے مینے کہا وہ کس قوم سے ہونگے فرمایا قریش میں سے۔ مینے کہا قریش کے کس گروہ میں سے فرمایا بنی ہاشم میں سے مینے کہا کونسے بنی ہاشم میں سے فرمایا عبد المطلب کی اولاد میں سے مینے کہا

عبد المطلب کی کونسی اولاد میں سے فرمایا جناب سیدہ کی اولاد میں سے میں نے کہا۔
فاطمہ کی کس اولاد میں سے فرمایا بس اب تمہارے لئے اتنی تشریح کافی ہے +

عن حذیفہ قال خطبنا رسول اللہ صلعم فذکر ما ھو کائن ثم قال لو لم یبق من
الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ تعالیٰ ذالک الیوم حتی یبعث فیہ رجلاً من ولدی
اسمہ اسمی فقام سلمان وقال یا رسول اللہ من ای ولدک ھو قال من ولدی ھذا
وضرب بیدہ علی الحسین علیہ السلام (اخرجہ ابو نعیم فی عوالیہ) یعنے حذیفہ کہتے ہیں
کہ جناب ختمی مآب صلعم نے ایکدفعہ خطبہ پڑھا اور جو ہونیوالی باتیں تھیں ان کا ذکر کیا۔ پھر
فرمایا اگر دنیا سے ایک دن کے سواء باقی نہ رہیگا تو خدا تعالیٰ اسے اسقدر دراز
کریگا کہ اس میں میری اولاد میں سے ایک آدمی پیدا کریگا جس کا نام میرا نام ہوگا
سلمان فارسی کھڑا ہو گیا اور کہا یا رسول اللہ صلعم آپ کے کونسے فرزند میں سے
ہوگا فرمایا حسینؑ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہ اس فرزند میں سے ہوگا +

اب بقول مرزا صاحب قادیانی اگر مہدی موعود نسل سلمان سے آنا ہوتا۔ تو
سلمان ہی کے پوچھنے پر پیغمبر صلعم نے کیوں نہ فرما دیا من صلبک یا سلمان اب ایسی
صراحت کے باوجود کوئی کور باطن ہی ایسا ہوگا جو ان صریح صاف و صحیح حدیثوں سے
خواہ مخواہ اعراض کر کے مرزا صاحب قادیانی (مغل زادہ) کو مہدی موعود مخالف
نص رسول خدا تسلیم کریگا۔ تفصیل کیلئے کتاب غایت المقصود کی چاروں جلدیں ملاحظہ ہوں
کہ ان میں مرزا صاحب کا سارا پول ظاہر کر دیا گیا ہے۔ وہو العالم حائری +

سوال۔ آیت مجیدہ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک
وما تاخر سے عصمت ختمی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ صاف لفظوں میں یہاں
کہا گیا ہے کہ تمہارے گذشتہ و آئندہ گناہ بخشدیئے گئے۔ اسی طرح آیت واستغفر
لذنبک وللمؤمنین سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اس میں تسلی فرمائی جائے +

الجواب۔ دراصل یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔ اس جگہ ہم اس کو مختلف
وجوہ سے حل کرتے ہیں۔ اوّل۔ جبکہ اصولاً یہ مسئلہ کلیہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السّلام
اوّل عمر سے آخر عمر تک گناہان کبیرہ و صغیرہ سے معصوم تھے۔ تو لازماً سرور انبیاء ارواحی
فداہ بھی معصوم تھے۔ پس جہاں کہیں غفران ذنب ان کے حق میں استعمال ہوا ہے۔
اس سے حقیقتہً ذنب مراد نہیں ہے۔ بلکہ باعتبار بشریت بعض ایسے امور مراد ہیں۔
جو در حقیقت عصیان و ذنب تو نہیں ہیں۔ مگر شان نبوت و رسالت کے لحاظ سے

مجازاً اُن کو ذنب کہا جاتا ہے۔ اگر غیر انبیاء انہیں امور کو کریں تو ان کے لیئے وہ شقاوت
ابدی کا باعث ہوں۔ ترک اولےٰ سے انہیں کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ حسنات الابرار
سیّٔات المقرّبین سے یہی مراد ہے۔ اسی بناء پر محققین نے لکھا ہے۔ اوّل انّ
الانبیاء کانوا ممن لا یخالف الاوامر الواجبۃ ولا یرتکب المناهی المحرمۃ فجاز ان یسمی
تارك المندوب وفاعل المکروہ مذنباً و ذنباً فما وقع منہ فذلك من ھذا الباب
یطلق علیہ الذنب نظراً الی رفعۃ قدرہ وعلو شانہ فلو وقع ذلك من غیرہٖ
صلعم لا یعد ذنباً یعنے بہ تحقیق کہ انبیاء علیہم السلام امور واجبہ کی مخالفت نہیں کیا
کرتے اور مناہی محرمہ کے بھی مرتکب نہیں ہوتے۔ پس جائز ہے کہ تارک مندوب
اور فاعل مکروہ کو مذنب کے نام سے پکارا جائے۔ پس حضور علیہ وآلہ السلام سے
جو کچھ واقع ہوا وہ اسی سلسلہ میں سے تھا۔ کہ باعتبار ان کے علوِ شان اور رفعت
قدر کے اس پر بھی لفظ ذنب اطلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں وہ ذنب نہیں ہے
اگر ان کے سوا کسی اور سے یہ وقوع پذیر ہوتا تو گناہوں میں شمار نہ کیا جاتا +

دوّم۔ قیل یحتمل ان یکون لیغفر لك بعد اعلام الفتح یہ دعاء لہ کما فی عفی اللہ
عنك فثبت ان المراد منہ ھو الدعاء کقولہ غفر اللہ لك ذنوبك کلھا۔ یعنے بعض
کے نزدیک محتمل ہے کہ یہ آیت بمنزلہ دعا کے ہو جیسے عفی اللہ عنک بھی دعا ہے۔
اسی طرح لیغفر لک بمنزلہ غفر اللہ لک کے دعا ہے۔ پس اس آیت میں پہلے تو فتح
کی خبر دی گئی ہے اس کے بعد اپنے حبیب کے حق میں دعا کی ہے +

سوّم۔ مفسرین نے یہ وجہ بھی بیان کی ہے ان معناہ لو کان لہ ذنب قدیم او
حدیث لغفرناہ لك یعنے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر پیغمبر صلعم کے لیئے قدیماً یا
جدیداً گناہ جائز ہوتا تو اس کو بدل دیا جاتا +

چہارم۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے یغفر اللہ
لك ما تقدم من ذنب امتك وما تاخر بشفاعتك واراد بذکر التقدم والتاخر
ما تقدم زمانہ وما تاخر فحسنت اضافۃ ذنوب امتہ الیہ للاتصال والسبب
بینہ وبین امتہ ویؤید ھذا القول ما رواہ المفضل بن عمر عن الصادق علیہ السلام
سئل عن ھذہ الآیۃ فقال واللہ ما کان لہ ذنب ولکن اللہ سبحانہ ضمن لہ
ان یغفر ذنوب شیعتہ علی ما تقدم من ذنبہم وما تاخّر یعنے اے محمد صلعم خدائے
تعالےٰ تیری شفاعت سے تیری امت کے گذشتہ اور آئندہ گناہ کو بخش دیگا۔ امت

کے گناہوں کو آنحضرت کی طرف مضاف کرنا اس اتصال اور سبب سے ہے جو کہ آنجناب صلعم اور اُس کی اُمّت کے درمیان موجود ہے۔ اسی قول کی تائید کرتی ہے۔ جو روایت کہ مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آنحضرت علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اس کے معنے کیا ہیں۔ فرمایا خدا کی قسم جناب ختمی رسالت صلعم سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا۔ مگر خدا یتعالیٰ ضامن ہؤا ہے کہ آنحضرت صلعم کے شیعان اُمّت کے گذشتہ اور آئندہ سب گناہوں کو بخشدیوے +

پنجم۔ علم الہدیٰ سید مرتضےٰ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ان الذنب مصدر والمصدر یجوز اضافتہ الی الفاعل والمفعول معاً فیکون ھنا مضافاً الی المفعول والمراد ما تقدم من ذنبھم الیک فی منعھم ایاک عن مکۃ وما تاخر من صدھم لک عن المسجد الحرام ویکون معنے المغفرۃ علےٰ ھذا التاویل الازالۃ والنسخ لاحکام اعدائہ من المشرکین علیہ اے یزیل اللہ ذٰلک عنک ویستر علیک ذٰلک الوصمۃ بما یفتح لک من مکۃ فتدخلھا فیما بعد ولذٰلک جعلہ جزاءً علےٰ عبادہ وغرضاً فی الفتح ووجھاً لہ ولو اراد مغفرۃ ذنوبہ لم یکن لقولہ انا فتحنا معنے معقول لان المغفرۃ للذنوب لا تعلق لہا بالفتح فلا یکون غرضاً فیہ یعنے لفظ ذنب مصدر ہے اور علماء نحو کے نزدیک فاعل اور مفعول دونوں کی طرف مصدر مضاف ہو سکتا ہے۔ پس اس آیت میں ذنب مفعول کی طرف مضاف ہے پس اس صورت میں آیت کے یوں معنے ہونگے کہ اہلِ مکہ کے پہلے گناہوں کو جو کہ مکہ سے تیرے اخراج کرنے میں انسے ہوئے تھے۔ اور نیز انکے پچھلے گناہوں کو جو کہ تم کو مسجد الحرام اور اتمام حج سے روکا تھا۔ خدائے تعالےٰ بخش دے گا +

علم الہدیٰ فرماتے ہیں اس بنا پر لفظ مغفرت سے مراد نسخ اور ازالہ احکام مشرکین آنحضرت صلعم سے ہے۔ یعنے خدا تعالےٰ احکام کفار اور انکے عہود کو تم سے زائل کرتا ہے۔ اور جو عار و ننگ کفار ہیں تم کو بسبب دعوت اسلام کرنے کے حاصل ہوا تھا۔ خدا اسکو مستور کرتا ہے۔ فتح مکہ حاصل ہو جانے سے گویا اس مغفرت کو فتح کی علّت اور جزا قرار دیا گیا ہے۔ اگر گناہوں کی مغفرت مراد ہوتی تو اس کا تعلق کسی طرح بھی فتح مکّہ سے نہ ہوتا +

ششم۔ ایک اور وجہ بھی اس آیت کی تفسیر میں ہو سکتی ہے۔ جس کو عیون الاخبار میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے جس کہ امام علیہ السلام نے

مامون الرشید کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا۔ قال الرضا علیہ السلام لم یکن احد عند مشرکی مکۃ اعظم ذنباً من رسول اللہ لانہم کانوا یعبدون من دون اللہ ثلثمائۃ وستین صنماً فلما جائہم بالدعوۃ الی کلمۃ الاخلاص کبر ذلک علیہم وعظم وقالوا اجعل الالھۃ الھاً واحداً الی قولہم ان ھذا الا اختلاق فلما فتح اللہ علی نبیہ مکۃ قال لہ یا محمدؐ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً لیغفر لک ما تقدم من ذنبک وما تاخّر عند مشرکی اھل مکۃ بدعائک الی توحید اللہ فیما تقدم وما تاخّر لان مشرکی مکۃ اسلم بعضہم وخرج بعضہم عن مکۃ ومن بقی منہم لم یقدر علی انکار التوحید علیہ اذا دعی الناس الیہ فصار ذنبہ عندھم فی ذلک مغفوراً لظہورہ علیہم فقال المامون لله درک یا ابا الحسنؑ یعنے امام علیہ السلام نے مامون الرشید کے جواب میں فرمایا کہ مشرکین مکہ میں کسی کو جناب ختمی مآب صلعم سے زیادہ گناہ گار نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ لوگ تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ پیغمبر صلعم ہی نے تو ان کو اصنام پرستی سے روکا۔ اور خدائے واحد کی عبادت کے لئے ان کو دعوت دی۔ یہ دعوت توحید ان پر نہایت شاق اور گراں گذری۔ اس پر کہنے لگے۔ کہ محمد صلعم نے صرف ایک خدا مقرر کر لیا ہے جس کی طرف وہ ہم کو بُلا رہا ہے یہ خلاف واقع اور کذب ہے۔ پھر جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ اے حبیبؐ وہ تمہارا دعوت الی اللہ کرنا جس سے مشرکین کی نظروں میں اس وقت کوئی اور زیادہ عظیم گناہ نہ تھا۔ اب فتح مکہ ہو جانے کے بعد وہ تمہارا گناہ ان کی نظروں میں مغفور یعنے مستور ہے۔ یعنے آج تیری اس دعوت کو وہ عار و ننگ کا باعث تمہارے لئے نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اہل مکہ بعض تو مسلمان ہو گئے تھے اور بعض وہاں سے مفرور۔ اور جو لوگ کہ کفر کی حالت میں وہاں رہ گئے تھے ان میں انکار توحید کی جرأت ہی باقی نہ رہی تھی۔ تفصیل کے لئے ہماری تفسیر لوامع التنزیل ملاحظہ ہو۔ وہو العالم۔ حائری +

سوال۔ انسان اشرف المخلوقات ہے لیکن مرنے کے بعد کیونکر ایسی نجاست پلید ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے غسل میت واجب قرار پایا ہے۔ اگر مردہ حیوان کو چھوا جائے تو صرف ہاتھ دھو لیا جاتا ہے۔ مگر اس اشرف المخلوقات کی میت کے چھونے والے کو غسل مس میت واجب ہو جاتا ہے۔ اس کی علت و وجہ بیان فرما کر مطمئن فرمائیں؟

الجواب۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر حیوان کے روح و بدن کا تکون و تولد نطفہ

سے ہوتا ہے۔ اور نطفہ حیوان کا ہو یا انسان کا نجس ہے۔ حکماء نے لکھا ہے کہ موت
کے وقت بدن کے ہر ہر جزء سے قبض روح ہوتا ہے۔ جس کی کشاکش و جذبات اور
فشارات سے اس اصلی مادہ نطفہ میں جو سارے بدن کا لب لباب ہوتا ہے تغیر انفعال
اور انقلاب عظیم پیدا ہو کر منافذ بدن سے سرعی ہو جاتا ہے۔ اس کا ازالہ کرنا شریعت
اسلام نے واجب قرار دیا۔ کہ میت اس نجاست و کثافت سے پاک ہو کر اس عالم
سے اس عالم کی طرف رجوع کرنے کے قابل ہو سکے۔ کیونکہ اس کو اس عالم میں
حضوری قدس اللہ۔ اور محاضرہ ملائکہ قدسیہ میں جانا ہے۔ ایسی نجاست۔ خباثت
اور کثافت صوریہ و معنویہ کے ساتھ وہ کسی طرح بھی اس حضوری کی قابلیت نہیں رکھتا
علل الشرائع میں منقول ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے سائل کے
جواب میں ارشاد فرمایا انہ یغسل و ینظف من ادناس امراضہ وما اصابہ من
صنوف علله لانه یلقی الملائکه و یباشر اهل الآخرة فیجب اذا ورد علی الله و
اهل الطهارة و یماسهم ان یکون طاهرا نظیفا موجها الی الله لیطلب وجهه
ولیشفع له یعنی میت کو غسل دینا چاہیے۔ ان ادناس و اقسام علل سے جو اس کو
پہنچا ہے۔ کیونکہ وہ اس عالم میں ملاقات و مباشرت کرتا ہے ملائکہ اور اہل آخرت
سے۔ پس واجب ہے کہ وہ پاک ہو۔ جبکہ خدا اور اہل طہارت پر وارد ہو
رہا۔ یہ کہ مس میت سے چھونے والے کو کیوں غسل واجب ہوتا ہے۔ یہ قانون
نہایت ہی پرحکمت اس لئے شریعت نے مقرر فرمایا ہے۔ کہ اکثر لوگ ایسے مرض سے
مرتے ہیں۔ جو طبعاً امراض ساریہ میں سے ہوتے ہیں۔ عام طور پر اطبا اور ڈاکٹر بھی ایسے
مریض سے احتراز کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ خود ان کو اگر مس کرنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ تو
تغسیل و تطہیر کر لیتے ہیں۔ ہمارے طبیب حقیقی نے جو خالق ہست و نیست ہے ایسے
امراض سے بچنے کے لئے عام کلیہ قاعدہ قرار دیا ہے۔ کہ میت کو چھونے کے بعد
غسل کر لیا کریں۔ کیونکہ مرنے کے بعد میت کے مسامات فراخ ہو جاتے ہیں۔ جن سے
غلیظ اور بدبودار فاسد [illegible] مسامات سے خارج ہوتے ہیں۔ احتمال ہوتا ہے کہ مس
کنندہ کے جسم میں بھی وہ سرایت کر جائیں۔ تحقیق جدید کی بنا پر جو حیوانات کی طرح
ثابت کئے گئے ہیں۔ عجب نہیں کہ جسم میت سے مس کرنے والے کے جسم میں داخل
ہو کر اس کے بھی ہلاکت کا باعث ہو جائیں۔ امام علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔
فقال من غسله او لامسه لظاهر ما اصابه من نضح المیت لان المیت اذا خرجت [illegible]

الروح عنه بقی اکثر افته فلذلك یتطهر له ویطهره عنه یعنے غسال اور ماسی کو بوجہ ظاہر مس کرنے کے غسل کرنا لازم ہے۔ کیونکہ وہ چھوتا ہے اس چیز کو جو میت سے نضج ہوتا ہے بعد مفارقت کرنے روح کے۔ اکثر اوقات کثافت ظاہری و باطنی میت کے بدن میں باقی ہوتی ہے۔ لہذا غسال کو چاہیئے کہ غسل دینے کے بعد خود بھی غسل کر لیوے +

اس میں ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انسان کبھی مدعی الھیت کبھی مدعی رسالت ہوتا ہے۔ اس کی عبرت کے لئے اس کا آغاز و انجام دونوں نجس قرار دیئے گئے۔ کہ جس قطرۂ منی سے اس کی خلقت ہوئی اس کے والدین پر خروج منی کی وجہ سے غسل واجب ہؤا۔ ادھر اس کی موت پر غسل میت اور غسل مس میت واجب کیا گیا۔ تاکہ اس اشرف المخلوقات کو اپنے آغاز و انجام کا حال معلوم کر کے عبرت حاصل ہو۔ کہ باوجود اس نجاست کے وہ الھیت یا رسالت کا کیونکر مدعی ہو سکتا ہے +

اہل سنت میں بھی غسل مس میت کا حکم وارد ہؤا ہے۔ احمد۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے۔ کہ جناب ختمی مآب صلعم نے ارشاد فرمایا من غسل میتاً فلیغتسل یعنے جو شخص میت کو نہائے چاہیئے کہ وہ خود بھی غسل کر لیوے۔ ابو داؤد اور صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے کہ حضور پیغمبر صلعم تین غسل کیا کرتے تھے۔ غسل جنابت۔ غسل جمعہ۔ غسل مس میت +

رہا یہ امر کہ مردہ حیوان کو مس کرنے سے غسل کیوں نہیں واجب ہوتا۔ ظاہراً اس کی وجہ یہ ہوگی۔ کہ عام طور پر طیور کے بدن میں پر ہوتے ہیں اور دوسرے حیوانات کے جسم میں قدرت نے بال خلق فرما دیئے ہیں۔ جو وصول رطوبت و نضح میت سے ظاہراً مانع ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا ماسی واجب الغسل نہیں ہوتا۔ وہو العالم۔ حائری +

سوال۔ ائمہ اور علماء اہل سنت میں کون مستند عالم جواز متعہ کا قائل ہے، ایک سنی مولوی صاحب بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ سنت جماعت کا کوئی امام یا عالم اس کا قائل نہیں ہے؟

الجواب۔ وہ مولوی صاحب ممدوح اپنی مذہبی روایات سے بھی ناواقف معلوم ہوتے ہیں ورنہ واقعات کے خلاف وہ کبھی نہ کہتے +

مردہ حیوانات مردوں کے مس کرنے سے غسل کیوں نہیں واجب ہوتا

سنئیے - امام مالک صاحب متعہ کے قائل ہیں - دیکھو برہان الدین علی ابن ابی بکر بن عبدالجلیل فرغانی نے ہدایہ میں لکھا ہے و نکاح المتعۃ باطل وھو ان یقول لامراۃ اتمتع بک کذا مدۃ بکذا من المال وقال مالک رحمہ اللہ ھو جائز لانہ کان مباحا فیبقی الیٰ ان یظھر ناسخہ یعنے نکاح متعہ باطل ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت سے کہے کہ میں تجھ سے اتنی مدت کے لئے اتنے مال پر متعہ کرتا ہوں - اور کہا امام مالک نے کہ متعہ جائز ہے - کیونکہ وہ مباح تھا پس وہ جائز ہی رہے گا - جبتک کہ اس کا منسوخ کرنیوالا ظاہر ہو - امام مالک کا یہ قول بجواز و اباحت متعہ فتاوی قاضیخاں - محیط رضی محمد بن کرخی - کنزالدقائق ابوالبرکات نسفی - شرح کنزالدقائق ابو محمد محمود بن عینی - حدائق الازہار شرح مشارق الانوار وجیہ الدین عمر بن عبدالحسین الارزنجانی میں بھی موجود ہے - فخر رازی نے آیت متعہ کے ذیل میں لکھا ہے - قال عمران بن حصین نزلت اٰیۃ المتعۃ فی کتاب اللہ ولم ینزل بعدھا اٰیۃ تنسخھا وامرنا بھا رسول اللہ صلعم و تمتعنا بھا ومات ولم ینھنا عنہ ثم قال رجل برایہ ما یشاء تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۸۶ سطر ۲ مطبوعہ مصر یعنے عمران بن حصین نے کہا کہ آیتہ (فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن اجورھن فریضۃ پ۵ ع۱) جب قرآن میں نازل ہوئی تو اس کے بعد متعہ نسخ کرنیوالی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی - ہم کو پیغمبر صلعم نے متعہ کرنے کا حکم دیا اور پیغمبر صلعم کی ہمراہی میں ہم متعہ کرتے رہے - اور مرتے دم تک ہم کو پیغمبر صلعم نے متعہ کرنے سے کبھی ممانعت نہیں کی پیغمبر صلعم کے وصال کے بعد ایک آدمی (عمر خطاب) نے اپنی رائے و قیاس سے جو چاہا کہدیا - (معاذ اللہ) عمر نے اپنی رائے سے جو کہا تھا اب وہ بھی سن لیں - امام رازی نے لکھا ہے روی ان عمر قال فی خطبتہ متعتان کانتا علیٰ عھد رسول اللہ انا انھی عنھما واعاقب علیھما تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۸۶ مطبوعہ مصر سطر ۱۲ - یعنے عمر نے اپنے ایک خطبہ میں کہا متعہ حج (حج تمتع) اور متعہ نکاح دونوں پیغمبر کے زمانہ میں کئے جاتے تھے - مگر میں آئندہ کے لئے ان سے ممانعت کرتا ہوں اور آئندہ متعہ کرنیوالے کو عقاب اور عذاب کرونگا +

محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے قال علی ابن ابیطالب لولا ان عمر نھی الناس عن المتعۃ ما زنی الا شقی کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۸۶ سطر ۱۴ یعنے جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر خطاب اگر لوگوں کو متعہ کرنے سے منع نہ کرتا تو سوائے شقی کے کوئی بھی زنا نہ کرتا - یعنے عمر کی طرف سے متعہ کی روک ٹوک ہو جانے کی وجہ سے دنیا

میں عام طور پر زنا رمروج ہو گیا۔ پس محققین علمائے اہل سنت کے نزدیک متعہ کی
کی علت اس لئے ثابت ہے کہ آیت متعہ کے نازل ہونے کے بعد اس کی ناسخ دوسری
کوئی آیت نازل نہیں ہوئی نہ پیغمبرؐ نے مرتے دم تک کبھی متعہ سے ممانعت کی۔ خدا اور رسول
کے حلال کئے ہوئے کام کو عمر خطاب یا کسی اور کا حق ہی نہیں ہے کہ بعد پیغمبرؐ کے
حرام کر سکے۔ اس لئے اہل سنت کے ثقہ مفتیوں نے حلت متعہ کا ہمیشہ فتوے دیا
چنانچہ تاریخ بدایونی میں ملا عبدالقادر نے لکھا ہے کہ قاضی شیخ حسین عرف قاضی
مالکی مذہب نے اکبر بادشاہ کو متعہ کی اجازت دی تھی اور بادشاہ نے قاضی صاحب
ممدوح کی اجازت سے بہت متعہ کئے۔ وہو العالم۔ حائری ؛

سوال۔ جناب رسول مقبول شیعہ تھے یا سنی۔ شیعہ کے معنے کیا ہیں ہدایت کا منتظر ہوں

الجواب۔ لفظ شیعہ لغت میں اتباع و انصار کے معنے میں آتا ہے۔ نہایہ میں
ابن اثیر جزری فیروز آبادی نے قاموس میں لکھا ہے شیعۃ الرجل بالکسر اتباعہ
وانصارہ والفرقۃ علیحدۃ وتقع علی الواحد والاثنین والجمع والمذکر والمؤنث
وقد غلب ھذا الاسم علی کل من یتولی علیاً واھل بیتہ حتی صار اسماً لھم
یعنے شیعہ کے معنے پیرو۔ تابع اور مددگار ہونے کے ہیں۔ ایک علیحدہ فرقہ کو بھی شیعہ کہتے
ہیں۔ لفظ واحد۔ تثنیہ۔ جمع۔ مذکر۔ مؤنث سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ تحقیق کہ لفظ
شیعہ نام ہو گیا ہے ہر اُس شخص کا جو علی اور اس کے اہلبیتؑ کو دوست رکھتا ہو۔
اب اس سے صاف معلوم ہوا کہ دوستداران علی و آل علی علیہم السلام کا
نام شیعہ ہے۔ اس معنے میں یہ لفظ شیعہ بکثرت مستعمل اور شائع ہے۔ قرآن مجید
میں آیا ہے وان من شیعتہ لابراھیم (صٰفٰت پ ۲۳) اور دوسری جگہ فرمایا ہے
فوجد فیھا رجلین یقتتلن ھٰذا من شیعتہ وھٰذا من عدوہ (قصص پ ۲۰)
ان دونوں آیتوں میں شیعہ کے معنے دوستدار کے ہیں۔ بلکہ آیت اخیر میں بمقابلہ
لفظ شیعہ کے لفظ عدوہ (دشمن) مذکور ہے جس سے صاف ثابت ہوا کہ اصطلاح
قرآن میں لفظ شیعہ کے معنے دوستدار کے ہیں۔ اصطلاح حدیث کسی طرح اصطلاح
قرآن کے مخالف نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں آیا ہے یا علی انت وشیعتک ھم
الفائزون کذا نقلہ الزمخشری فی الکشاف۔ اسی طرح امام جلال الدین سیوطی نے
تفسیر در منثور جلد ششم ص ۳۷۹ مطبوعہ مصر میں بذیل آیت ان الذین امنوا وعملوا الصالحات
اولئک ھم خیر البریہ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے قال رسول اللہ صلعم لعلی

ھوانت وشیعتک لیوم القیامۃ راضین مرضیین انتہیٰ بلفظہ۔ یعنی رسول خدا صلعم نے فرمایا خیر البریہ اے علی تم ہو اور تمہارے شیعہ جو بروز قیامت خدا سے خوش اور خدا انسے خوش ہوگا۔ ایجگہ ہے موعدک وموعدہم الحوض میں اور تم مع شیعوں کے حوض کوثر پر جمع ہونگے

اب ان حدیثوں سے بھی ثابت ہؤا کہ ختمی نبوت صلعم نے بھی پیروان ومحبان علیؑ کو خاص اسم ولقب شیعہ سے موسوم اور ملقب کیا ہے۔ بلکہ علی کو اس کے شیعوں کی نجات ومغفرت کی خوشخبری دی ہے۔ پس رسول خدا صلعم جبکہ بنص وما ینطق عن الھویٰ بغیر وحی کے کچھ نہ فرمایا کرتے تو ثابت ہؤا کہ حضور نے بھی وحی اور حکم خدا سے یہ نام شیعہ محبان علی علیہ السلام کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ پس جبکہ بالاتفاق یہ ثابت ہے کہ شیعہ کے معنے محب ودوست علیؑ کے ہیں۔ تو حضور ختمی نبوت کو بھی بوجہ کمال دوست رکھنے علی علیہ السلام کے اگر شیعہ کہا جائے۔ تو لا جناح علیکم کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کے جد ابراہیم خلیل اللہ کو قرآن میں شیعہ نام رکھنے سے مضائقہ نہیں کیا گیا +

بہر حال لفظ شیعہ خدا ورسول کی طرف سے محبان علیؑ کا نام مقرر ہو چکا ہے لفظ سُنّی یا اہل سنت یا سنت جماعت تو ان لوگوں کا خود تراشیدہ نام ہے۔ قرآن خدا اور حدیث مصطفےٰ سے کہیں اس نام کا پتہ نہیں ملتا۔ وہو العالم۔ حائری +

سوال۔ ایمان کم زیادہ ہوسکتا ہے۔ یا نہیں۔ فقہ اکبر۔ اور شرح عقائد نسفی میں ہے الایمان ھو الاقرار والتصدیق وایمان اھل السماء والارض لا یزید ولا ینقص +

الجواب۔ یہ قول مخالف قرآن اور حدیث ہونے کی وجہ سے قابل تسلیم نہیں ہوسکتا۔ ایمان اصطلاح شریعت میں اقرار باللسان اعتقاد بالجنان عمل بالارکان ہے۔ جس شخص میں یہ تینوں وصف اعلےٰ اور اکمل پیمانہ پر ہونگے۔ بالضرور وہی کامل اور زائد الایمان ہوگا اور جس شخص میں یہ اوصاف ضعیف ہونگے اُس کا ایمان ناقص اور کم ہوگا +

قرآن میں ہے واذا تلیت علیہم ایاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون (پ۹ سورہ انفعال) یعنے جب پڑھی جاتی ہیں ان پر خدا کی آیتیں اور نشانیاں تو زیادہ کرتی ہیں ان کے ایمان کو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم (پ۲۶ سورہ فتح) اس میں بھی زیادتی ایمان کی خبر دی گئی ہے۔ پھر تیسری جگہ فرمایا ہے

ویزداد الذین اٰمنوا ایمانًا (پ۲۹ سورہ مدثر) یعنے زیادہ ہوں وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ پھر ایک جگہ اور فرمایا ہے۔ ایکم زادتہ ھٰذہٖ ایمانًا فاما الذین اٰمنوا فزادتہم ایمانًا۔ یعنے کس کو تم میں سے زیادہ کیا اُس نے ایمان کو پس جو لوگ کہ ایمان لائے ہیں پس زیادہ کیا اس کے ایمان کو۔ پھر فرمایا ہے۔ فاخشوھم فزادھم ایمانًا (پ۴ تیسرا پاؤ) یعنے پس ڈرو تم ان سے پس زیادہ کیا ان کے ایمان کو پھر فرمایا ہے۔ وما زادھم الا ایمانًا و تسلیمًا (پ۲۱ سورہ احزاب) یعنے نہ زیادہ کیا ان کو مگر ایمان اور طاعت کرنا:

حدیثیں بھی بکثرت متفقہ فریقین تزئید و تنقیص ایمان کے متعلق موجود ہیں۔ اب قرآن و حدیث کے مقابلہ میں تم خود ہی سمجھ لو کہ فقہ اکبر یا شرح عقائد نسفی کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ جو ان کا قول مخالف حکم اللہ و رسول قابلِ تسلیم ہوسکے۔ فبای حدیث بعدہ یؤمنون۔ وھو العالم۔ حائری +

ایمان اور اسلام میں کیا فرق ہے

سوال۔ اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہے یا دو مختلف چیزیں اور بصورت اختلاف دونوں میں افضل کون ہے ایمان یا اسلام اور اسپر دلیل کیا ہے واضح بیان فرمائیں؟

الجواب۔ اسلام سے مراد اظہار شہادتین اور مسلم میں داخل ہونا ہے۔ پس نتیجہ یہ کہ اسلام صرف اقرار باللسان ہوتا ہے۔ اسی لئے باتفاق فریقین ہر کافر بمجرد کلمہ پڑھنے کے دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور اسلام کے جملہ احکام اس کے اقرار شہادتین کرنے پر فوراً ہی اس پر جاری ہوجاتے ہیں۔ حال آنکہ اسوقت صوم و صلوٰۃ۔ حج و زکوٰۃ وغیرہ اعمال اور احکام اسلام میں سے کوئی عمل بھی وہ بجا نہیں لایا ہوتا +

رہا ایمان۔ سو اس میں تین چیزوں کا حاصل ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ اس وقت تک لفظ ایمان کسی پر اطلاق ہی نہیں ہوسکتا۔ اس میں زیادتی کا ہونا تو کارے دارد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس +

ابن ماجہ۔ ابن مردویہ۔ طبرانی اور بیہقی نے شعب الایمان اور امام سیوطی نے تفسیر در منثور جلد نمبر ۶ صفحہ سورۃ الحجرات مطبوعہ مصر میں علی ابن ابیطالب سے روایت کی ہے کہ حضور ختمی مرتبت فداہ روحی نے فرمایا الایمان اقرار باللسان اعتقاد بالجنان عمل بالارکان یعنی زبان سے اقرار کرنا۔ دل سے اعتقاد رکھنا۔ اعضا اور جوارح سے جملہ احکام دین اسلام پر عملدرآمد کرنے کا نام ایمان ہے۔ پھر ان تینوں شرطوں کی زیادتی کمی اور قوی و ضعیف ہونے کی وجہ سے مومنین میں ایمان کی زیادتی کمی بھی ثابت ہوتی ہے بسبب مومنوں کا

ایمان ایک ہی درجہ کا نہیں ہوتا۔ مدارج کا فرق بھی ایمان کی زیادتی یا کمی کی بنا پر مرتب ہوا ہے۔ ایک غائر نظر ڈالنے سے یہ مسئلہ بہت آسانی کے ساتھ حل ہو سکتا ہے۔ کہ اول المومنین علی ابن ابی طالب جیسے ممتحن بالایمان سے کسی دوسرے مومن کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ وہ مومنون کے امیر اور متقیوں کے یعسوب خاص طور پر صاحب الوحی کی جانب سے امیر المومنین کے معزز خطاب سے ملقب ہوئے۔ کیوں عام مومنین اس خطاب سے ملقب نہیں ہوئے۔ اسی لئے کہ ان کا ایمان نہ اس درجہ تھا نہ اس معزز خطاب سے وہ مخاطب کئے گئے

اسلام اور ایمان میں فرق ہونے کے متعلق قرآن جو کچھ تعلیم دیتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔ اذ قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم پ٢٦ ع ١٤۔ سورۃ الحجرات۔ یعنے عرب کے دیہاتی (بنی اسد) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ اے پیغمبر صلعم ان سے کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ ہاں یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ اور ایمان کا تو ہنوز تمہارے دلوں میں گذر تک نہیں ہوا۔ اب اس آیت سے مطلب بالکل صاف اور عیان ہے۔ کہ اسلام اور ایمان میں اگر کوئی فرق نہ ہوتا تو بنی اسد کے دعوے ایمان لانے پر یہ جواب دینے کی ضرورت نہ تھی کہ تم ایمان نہیں لائے ہو۔ بلکہ اسلام لائے ہو ❊

اسلام و ایمان میں جو کچھ کہ فرق ہے اس کو معصوم علیہ السلام نے توضیح کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا ہے۔ ان اللہ فضل الایمان علی الاسلام بدرجۃ کما فضل الکعبۃ علی المسجد بدرجۃ فکما ان الکعبۃ فی المسجد والمسجد لیس فی الکعبۃ کذلک الایمان یشرک الاسلام والاسلام لا یشرک الایمان (کافی کلینی تفسیر برہان بحرینی میں بھی قریب المضمون امام ابو عبد اللہ علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بتحقیق خدا تعالیٰ نے ایمان کو ایک درجہ اسلام پر فضیلت دی ہے۔ جیسا کہ کعبہ کو ایک درجہ مسجد پر فضیلت دی ہے۔ پس جس طرح کہ کعبہ مسجد کے اندر ہے اور مسجد کعبہ کے اندر نہیں ہے۔ اسی طرح اسلام بھی ایمان کے اندر داخل ہے لیکن ایمان اسلام میں داخل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو مومن ہوگا وہ ضرور پہلے مسلمان ہوگا۔ مگر صرف مسلمان ہونے سے جب تک کہ وہ اعتقاد بجنان اور عمل بالارکان پر کاربند نہ ہو جائے قطعاً مومن نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے بنی اسد مدعیانِ ایمان کو ردّاً علیہم کہا گیا کہ تم ایمان نہیں لائے ہو

بلکہ یہ کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں ۔

فخرالدین رازی کا تفسیر کبیر جلد نمبر ۷ صفحہ ۳ مطبوعہ مصر میں یہ اجتہاد مقابل نص کرنا کہ المسلم والمؤمن واحد عند اہل السنۃ کہ مسلم اور مومن اہل سنت کے نزدیک ایک ہی ہے بوجہ مخالف قرآن ہونیکے کیونکہ قابل تسلیم ہو سکتا ہے ۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اہل سنت بھی قرآنجید کے مقابلہ میں فخر رازی کے اس اپنے عندیہ کو صحیح اور درست سمجھیں گے ۔ اور رازی کے مقابلے میں وہ قول خدا اور حکم رسول اللہ کی بھی پروا نہ کرینگے ۔ افبھذا الحدیث انتم مدھنون وھو العالم ۔ حائری +

سوال ۔ حضرت ابو طالب پدر جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے اسلام کا مخالفین انکار کرتے ہیں ۔ اس لئے کتب مخالفین سے اس کا ثبوت مطلوب ہے ۔

الجواب ۔ کتاب اسنی المطالب فی نجات ابی طالب میں سید احمد بن سید زینی دحلان نے اور میبندی نے اپنی شرح دیوان میں ۔ اور برزنجی و دیگر محققین علما و اہل سنت نے اعتراف کیا ہے کہ ابو طالب مسلمان موحّد تھے ۔ اسنی المطالب صفحہ ۲۲ میں ہے ۔ کہ ابو طالب کی نجات کے متعلق بہت سے علماء محققین اور اولیاء عارفین قائل اور معترف ہیں ۔ ان کے علاوہ بہت سے فضلا ہیں ۔ جو اس بات کو کہہ گئے ہیں کہ ہمارا یہی اعتقاد ہے اور ہم اسی اعتقاد کے ساتھ خدا کے سامنے جائینگے +

مواہب لدنی اور اسنی المطالب میں برزنجی ۔ ابو نعیم اور بیہقی سے منقول ہے ۔ ان النبی صلعم حضر ابا طالب عند الموت و عندہ ابو جہل و عبد اللہ بن امیۃ المخزومی فقال النبی ای عم قل لا الہ الا اللہ کلمۃ احاج بھا لک عند اللہ فقال ابو جہل و عبد اللہ بن امیہ یا ابا طالب اترغب عن ملۃ عبد المطلب فلم یزالا یردانہ حتی قال ابو طالب علی ملۃ عبد المطلب ثم لما تقارب عن ابی طالب الموت نظر الیہ العباس فراٰہ یحرک شفتیہ فاصغی الیہ باذنہ منہ الشہادۃ فقال النبی صلعم یا ابن اخی واللہ لقد قال اخی الکلمۃ التی امرتہ بھا ولم یصرح من لفظۃ لا الہ الا اللہ لکونہ لم یکن اسلم یعنی ابو طالب کی وفات کے وقت حضور ختمی مآب صلعم تشریف لائے ۔ اس وقت صنادید قریش میں سے ان کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ موجود تھے پس پیغمبر صلعم نے فرمایا چچا پڑھیے کلمہ لا الہ الا اللہ تاکہ میں خدا کے سامنے اس کا شاہد رہوں اور تمہارے لئے حجت کروں ۔ اس وقت ابو جہل اور ابن امیہ نے کہا اے ابو طالب کیا تم عبد المطلب کی ملت سے پھر جاؤ گے

ہو۔ ان کے اصرار کرنے پر ابو طالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر باقی ہوں پس جب موت کا وقت قریب پہنچا۔ تو عباس نے دیکھا کہ ابو طالب کے دونوں لب حرکت کر رہے ہیں۔ اس وقت عباس نزدیک ہوئے۔ اور اپنے دونوں کانوں سے سُنا ہے کہ وہ کلمہ شہادت پڑھتے ہیں۔ عباس نے کہا اے بھائی کے بیٹے خدا کی قسم کہ میرے بھائی ابو طالب نے وہ کلمہ پڑھا ہے جو آپ نے اُس کو تعلیم کیا تھا ؀

برزنجی۔ زینی۔ نبیرہ جوزی۔ واقدی وغیرہ بروایت ابن سعد۔ ابن عساکر و محمد بن اسحاق لکھتے ہیں قال علی لما توفی ابوطالب اخبرت رسول اللہ صلعم فبکی بکاءً شدیدًا ثم قال صلعم اذهب فغسله وکفنه ووراه غفر اللہ له ورحمه یعنی جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے رسولِ خدا صلعم کو ابو طالب کے انتقال کی خبر دی پس حضور صلعم رونے لگے۔ اور فرمایا کہ اے علی جاؤ اور ابو طالب کو غسل دو۔ کفن پہناؤ اور قبر میں دفن کر دو۔ خدا نے ان کو بخشدیا ہے۔ اور ان پر رحم کیا۔ اس خبر کو ابو داؤد نسائی۔ ابو الجارود۔ ابن خزیمہ نے بھی جناب امیر علیہ السلام سے روایت کیا ہے۔ تذکرۃ الائمہ میں نبیرۂ جوزی نے ابن سعد اور واقدی سے روایت کیا ہے فقال له العباس یا رسول اللہ انك لترجوا له فقال صلعم ای واللہ لارجوا له وجعل رسول اللہ صلعم یستغفر له ایامًا لایخرج من بیته یعنی تغسیل اور تدفین ابو طالب کے بعد عباس نے جناب ختمی رسالت روحی فداہ سے کہا۔ کیا آپ نجات ابو طالب کی امید رکھتے ہیں پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں خدا کی قسم میں امید کرتا ہوں کہ ابو طالب ناجی ہے۔ پس کئی دن تک جناب پیغمبر صلعم ان کے لئے استغفار کرتے رہے اور مکان سے باہر تک نہیں نکلے ؀

نبیرۂ جوزی نے واقدی اور ابن عباس سے روایت کی ہے۔ عارض رسول اللہ صلعم جنازۃ ابی طالب فقال وصلت الرحم وجزاك اللہ یا عم خیرا یعنی جناب پیغمبر صلعم جب جنازہ ابو طالب پر آئے تو فرمایا اے چچا تم نے توصل ارحام کیا خدا تم کو جزاء خیر دے ؀

اسی طرح مناقب میں رازی نے ذخائر العقبیٰ میں محب الدین طبری اور زینی۔ برزنجی اور ابو نعیم وغیرہ نے ابن عمر سے روایت کی ہے۔ قال قال رسول اللہ صلعم اذا کان یوم القیامۃ شفعت لابی وامی وعمی ابی طالب واخ لی فی الجاهلیۃ۔ یعنی پیغمبر صلعم نے فرمایا قیامت کے روز میں شفاعت کروں گا اپنے باپ ماں اور چچا

ابو طالب کی - اور زمانہ جاہلیت میں جو میرا بھائی تھا - ابو نعیم نے توضیح کی ہے کہ یہ بھائی زمانہ جاہلیت کا رضاعی تھا +

خود حضرت ابو طالب کے اشعار کثرت سے ہیں جو ان کے مسلمان موحد ہونے کی روشن دلیل ہیں +

زینی اور برزنجی نے لکھا ہے کہ شعیب ابو طالب کو قریش کے محاصرہ کرنے کے وقت ابو طالب نے ایک طویل خطبہ میں مخاطب بقریش انشاد کیا جس میں یہ شعر اس کے عقیدہ حقہ اور اسلام پر کافی روشنی ڈالتا ہے ؎

الم تعلموا انا وجدنا محمداً + رسولاً کموسیٰ صح ذلک فی الکتب

آیا تم نہیں جانتے ہو کہ ہم نے محمد صلعم کو رسول پایا ہے موسیٰ کی طرح جس کی صحت کتابوں میں موجود ہے - دوسرا شعر ان کا یہ ہے ؎

وخیر بنی ہاشم احمد + رسول الالٰہ علیٰ فترۃ ::

یعنے بنی ہاشم میں سے سب سے بہتر احمد ہے وہ خدا یتعالے کا رسول ہے - جو زمانہ فترت میں آیا ہے - تیسرا شعر بھی ملاحظ فرمالیں ؎

نبی اتی بالدین من عند ربہ + بصدقٍ وحقٍ لا تکن حمز کافرا ::

یعنے محمد صلعم ایسا پیغبر صلعم ہے جو دین کو اپنے پروردگار سے لایا ہے وہ سچا اور حق دین ہے - پس اے حمزہ تم کافر مت رہو - پھر اقرار توحید میں فرمایا ہے ؎

ملیک الناس لیس لہ شریک + ھو الوھاب والمبدی المعید

یعنے وہی ایک خدا ہے جو سب کا مالک ہے اس کا شریک کوئی نہیں - وہی بڑا بخشنے والا ہے - اور پیدا کرنیوالا ہے - پھر عدم کی طرف لوٹا نیوالا ہے (قیامت کے روز پھر زندہ کرنے والا ہے) +

اب ایک محقق کے لئے میرے خیال میں تسلیم اسلام ابو طالب کے متعلق اس قدر کافی ہے - کسی ناقد بصیر کو اس کے بعد اسلام ابو طالب کے متعلق شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا - کیونکہ صاحب وما ینطق عن الھویٰ کی یہ شہادت کہ خدا نے ان کو بخش دیا ہے - اور ان پر رحم کیا ہے - ابو طالب کے اسلام و ایمان کے لئے یقیناً کافی سے زیادہ ہے - تم خود انصاف کرو کہ مشرک بھی کبھی بخشا جا سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں - ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ پھر ابو طالب بھی معاذ اللہ اگر مشرک ہوتے تو پیغمبر صلعم کا ان کے حق میں یہ فرمانا کہ خدا

جناب ابو طالب کے اشعار در توحید - نبوت - معاد میں

نے ان کو بخشد یا کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے ✣

اگر ہو کہ یہ کلمہ حضرت صلعم نے دعائیہ اس کے حق میں فرمایا ہے تو یہ بھی غلط ہے قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ قرآن میں آیا ہے۔ کہ مومنین کبھی کافروں کیواسطے دُعا مغفرت نہ کریں۔ پھر کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پیغمبر صلعم ابو طالب کے حق میں (اگر وہ کافر ہوتے) دُعا مغفرت کرتے ✣

حاشیہ شفاء عیاض پر امام احمد بن حسین حنفی موصلی۔ اور علی جمہوری اور تلمسانی سے نقل کیا گیا ہے۔ ان بغض ابیطالب کفر لانہ کان حامی النبی وناصرہ ومربیہ فذمہ ذم النبی وایذ ائہ ایذ اء النبی ومن یذمہ فھو کافر وجب قتلہ دعند المالکیۃ وان تاب یجب قتلہ یعنے بغض رکھنا ابو طالب سے کفر ہے کیونکہ وہ حمایت و نصرت اور تربیت کرنے والا پیغمبر صلعم کا تھا۔ پس اس کی مذمت و ایذا پیغمبر صلعم کی مذمت و ایذا کرنا ہے۔ اور وہ کافر واجب القتل ہوجاتا ہے۔ مالکیوں کے نزدیک ایسا شخص بعد توبہ کے بھی واجب القتل ہی رہتا ہے

ان سب باتوں کے علاوہ ابو طالب کا اپنے بیٹوں علیؑ اور جعفر کو پیغمبر صلعم کا ساتھ دینے کی تاکید شدید کرنا۔ اور اپنے بھائیوں عباس اور حمزہ وغیرہ کو اسلام لانے کی بے حد رغبت دلانی یہ سب باتیں صاف نتیجہ میں ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ اسلام کو فقط اچھا ہی نہیں سمجھتے بلکہ ایسا حق مانتے تھے کہ لوگوں کو بُت پرستی سے روکتے اور پیغمبر صلعم و نیز دین اسلام کی طرف متوجہ کرتے تھے اور اس وجہ سے حضور ختمی مآب صلعم کو اپنے حقیقی فرزندوں سے زیادہ عزیز دوست رکھتے تھے۔ وہو العالم۔ حائری ✣

سوال۔ روح کی ماہیت کیا ہے۔ اور اس کی نسبت کیا اعتقاد رکھنا چاہئے نفس ناطقہ یا نفس انسانی۔ اور نفس قدسی سے کیا مراد لی جاتی ہے ؟

الجواب۔ دراصل لفظ روح راح رواحًا یا ریاحًا سے ماخوذ ہے۔ ابن الاعرابی کے نزدیک روح اور نفس ایک ہی چیز ہے۔ اطبا اور حکماء نے روح میں چالیس قول ذکر کئے ہیں مثلاً بعض کے نزدیک روح رطوبت غریزیہ ہے کیونکہ یہ رطوبت ہیضہ میں ایک قے یا دست آنے سے خارج ہو جاتی ہے اور آدمی مرجاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ روح شریانوں کا خون صالح ہوتا ہے جس پر انسان کی حیات کا مدار ہے۔ بعض کے نزدیک روح سے مراد مطلق

خون ہے۔ کیونکہ اس کے خارج ہو جانے سے ذیحہ فوراً مر جاتا ہے۔ بعض نے
کہا ہے کہ حیوان کا سانس لینا روح ہے۔ کیونکہ پھانسی دینے سے حیوان یا انسان
فوراً مر جاتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک رُوح خون کے بخارات ہیں جو رگوں
اور پٹھوں میں پھیلنے سے حیوان حرکت یا سکون پر قادر ہو سکتا ہے۔ جیسے
انجن بخارات کے ذریعے چلتا ہے۔ حکماء نے لکھا ہے کہ مراد روح سے وہ جسم
لطیف بخاری ہے جو اخلاط لطیفہ سے پیدا ہوتا ہے جس طرح اعضاء اخلاط
کثیفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور اخلاط سے مراد خون صفراء۔ سوداء اور بلغم ہے
جو اخلاط اربع میں سے کہلاتے ہیں۔ مقام روح کا جانب چپ جوفِ
قلب میں ہے +

چونکہ یہ امر مقرر ہے کہ مراتب اشیاء کے تین ہیں۔ اعلےٰ۔ ادنےٰ اور اوسط پس اس جسم لطیف
بخاری کی صفت لطافت میں بھی تین مرتبہ ہیں۔ اور ان مراتب کے لحاظ سے تین قسمیں
رُوح کی قرار پائی ہیں۔ رُوح نفسانی۔ رُوح طبعی۔ رُوح حیوانی +

پہلی قسم یعنے رُوح نفسانی سے مراد وہ بہت لطیف حصہ رُوح کا ہے جو دل سے متصاعد
ہو کر دماغ میں پہنچتا ہے۔ اور (منشاء) یعنے جگہ پیدا ہونے حواس کا ہوتا ہے +

دوسری قسم۔ یعنے رُوح طبعی سے مراد رُوح کا وہ کثیف ترین حصہ ہے جو قلب سے
اُٹھ کر جگر اور انثیین میں آتا ہے اور (منشاء) یعنے جگہ پیدا ہونے افعال طبعیہ کا ہوتا ہے
یعنے تغذیہ۔ تنمیہ اور تولید مثل +

تیسری قسم۔ یعنے رُوح حیوانی سے مراد وہ اجزاء رُوح ہیں۔ جو لطافت میں اوسط درجہ
پر ہیں۔ اور وہ دل کے بائیں جانب کی کاواکی میں قرار لیتے ہیں۔ یہ مادہ تنفس حیوانی کا بذریعہ
ششش (پھیپھڑا) کے ہوتا ہے۔ چونکہ بنیاد سانس لینے کی روح حیوانی ہے۔ اسلئے ہوا
کا نفع اور ضرر خصوصاً جسم انسان میں بنسبت اور چیزوں کے زیادہ اثر پہنچاتا ہے +

نفس ناطقہ یا نفس انسانی سے مراد صورت نوعیہ انسانی ہے۔ اور وہ بواسطہ انتہا درجہ
اعتدال کے جو کہ اجزاء عناصر میں حاصل ہوا۔ پیدا ہوتا ہے اور مادہ عنصری سے متعلق ہو جاتا
ہے۔ اسی نفس انسانی کو نفس ناطقہ اس وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ اس کے مشہور ترین افعال
میں صفت نطق ہے۔ اگرچہ وہ منشاء دیگر افعال کا بھی ہوتا ہے +

نفس قدسی سے مراد وہ نفس ناطقہ ہے کہ درجہ کمال دانش و ادراکات عقلیہ پر پہنچ گیا ہو
مثلاً نفوس طیبہ حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام جو انہیں کیلئے مخصوص ہے۔ ہر ایک

رُوح۔ نفس ناطقہ۔ نفس انسانی۔ نفس قدسی سے کیا مراد ہے

شخص اس مقام عظیم اور مرتبت رفیعہ تک پہنچ ہی نہیں سکتا - وہو العالم - حائری +

سوال - انسان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا حیوان حلال - اور خدا کا مارا ہوا حیوان کیوں حرام کیا گیا - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا فعل خدا کے فعل سے زیادہ معتبر ہو - معقولی اور منقولی دونوں طرح جواب تحریر فرما کر ممنون کریں +

الجواب - اصل بات یہ ہے کہ حکیم مطلق نے اپنے بندوں کے واسطے جن اشیاء کو اپنی حکمت میں مفید اور نافع سمجھا ہے - اسی چیز کے کھانے کا حکم دیا ہے اور جس کو مضر سمجھا ہے اس سے منع فرمایا ہے +

اسی کلیہ کی بناء پر حیوانات میں سے جن کا گوشت زندگانی اور بقاء انسانی کے واسطے نافع اور مفید تھا انہیں کے کھانے کا حکم اس شرط سے دیا ہے - کہ موذی مادہ جو ان کے خون میں ذاتی طور پر خلق کیا گیا ہے ان کے ذبح کر دینے سے نکالدیا جائے - پھر اس پر یہ دوسری شرط بھی ایزاد کر دی - کہ حیوان بھی چونکہ میرا مخلوق ہے اور میرے ہی حکم سے اس کا کھانا بھی تم پر مباح اور حلال ہوا ہے - اور یہ حیوان اس تکلیف ذبح کا عوض بھی مجھ سے لے سکتا ہے - اس لئے ذبح کے وقت اس کو میرے ہی نام اور ذکر پر ذبح کیا جائے - اب اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ انسان کا صرف وہی فعل معتبر ہو سکتا ہے - جو حکم خدا کے مطابق وہ بجالایا ہے ورنہ حرام گوشت حیوان کو اگر کوئی ذبح کرے - یا حلال گوشت حیوان کو بغیر ذکر تکبیر مقررہ کے ذبح کرے - تو وہ حیوان کیوں نہیں حلال سمجھا جاتا - اسی لئے کہ بذاتہ فعل انسان کا معتبر نہیں ہے - بلکہ حکم خدا معتبر ہے - رہا - یہ امر کہ ذبح کرنے سے خون کیوں نکالدیا جاتا ہے - سو اس کی یہ علت اور وجہ ہے کہ خون میں بذاتہ ایک قسم کی سمیت ضرور ہوتی ہے - اگر مرض کی حالت میں وہ سمیت طبیعت پر غالب آجائے تو لازماً مریض مر جاتا ہے - اور اگر طبیعت نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا تو بتدریج مریض بچ جاتا ہے +

پس یہ مسموم خون ذبح کرنے سے اگر نہ نکالدیا جائے - تو اس کا کھانیوالا عموماً امراض میں مبتلا رہتا ہے - بلکہ لازماً ہلاکت کا باعث بھی یہ ہو جایا کرتا ہے - مزید براں اس میں خباثت نفس اور قساوت قلب حادث ہو جاتی ہے - عام طور پر بیمروتی اور بے غیرتی بھی انہیں خونخوار لوگوں سے ہی ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے - جو خون یا مردہ حیوان کھایا کرتے ہیں - یہ وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے خون اور مردہ حیوان

حیوان خود بخود حلال اور بغیر ذبح کیوں حرام ہو جاتا ہے

یا جس حیوان کا گوشت انسانی زندگانی کیواسطے ایذا دہ یا ضرر رساں ہو حرام قرار
دیا۔ علل الشرائع میں بھی اس قسم کی ایک حدیث معصوم علیہ السلام سے منقول ہے
دیکھو علت ۲۷۶ ویں۔ کہ سائل نے امام ابی جعفر علیہ السلام سے پوچھا کہ شراب
حیوان مُردہ اور خون و سور کو شریعت اسلام نے کیوں حرام قرار دیا۔ معصوم علیہ
السلام۔ نے فرمایا لکنہ تعالےٰ خلق الخلق فعلم مایقوم بہ ابدانھم وما
یصلحھم فاحلہ لھم واباحہ وعلم مایضرھم فنھاھم عنہ وحرمہ
علیھم یعنے جب کہ خدا تعالےٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا تو اپنے علم اور حکمت میں
جن اشیاء کو ان کے واسطے مفید اور نافع سمجھا ان کو تو مباح اور حلال کردیا اور
جن اشیاء کو ان کے واسطے ضرر رساں سمجھا ان کو حرام قرار دیا۔ اما المیتۃ
فانہ لم ینل احد منھا الا الضعف بدنہ واوھنت قوتہ وانقطع نسلہ
ولا یموت اکل المیتۃ الا فجاۃ یعنے مردہ حیوان کھانیوالا ہمیشہ ضعیف البدن
سُست باہ۔ قلیل القوت اور منقطع النسل رہتا ہے۔ اور عام طور پر ایسا
شخص مرگ مفاجات میں فوت ہوتا ہے۔ واما الدم فانہ یورث الکلب
وقساوۃ القلب وقلۃ الرقۃ والرحمۃ حتی لایؤمن علی من صحبہ
یعنے خون کھانے سے اکثر زرد آب منہ سے جاری رہتا ہے اور دیوانگی کے آثار
حادث ہوتے ہیں اور عموماً وہ قسی القلب اور قلیل الرحمت بھی ہوتا ہے جس
کی وجہ سے اس کا کوئی رفیق دوست اس سے مامون اور بے خطر نہیں ہو سکتا
حضرت امام رضا علیہ السلام نے بھی ایک سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے
حرمت المیتۃ لما فیھا فساد الابدان ولانہ یورث الماء الاصفر و یبخر الفم
وینتن الریح ویسئ الخلق ویورث القساوۃ للقلب قلۃ الرافۃ والرحمۃ
حتی لایؤمن ان یقتل ولدہ و والدہ وصاحبہ حرم الطحال لما فیہ من
الدم ولان علتہ وعلۃ الدم والمیتۃ واحدۃ لانہ یجری مجراھما یعنے مردہ
حیوان کھانا اس لئے حرام ہے۔ کہ وہ انسان کے بدن کو فاسد کردیتا ہے۔
اور مُنہ سے زرد آب جاری کرتا ہے۔ اس سے گندگی اور عفونت دہن پیدا
ہوتی ہے۔ اسی کے کھانے سے انسان بدخلق اور قسی القلب۔ قلیل الرحمت
مغلوب الغضب بھی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بیٹا۔ باپ اور کسی دوست
کے قتل کردینے سے بھی وہ پرواہ نہیں کرتا۔ تلی کو بھی شارع علیہ السلام نے

یعنی خون وطحال وغیرہ کے حرکت کی وجہ

اسی وجہ سے حرام کیا ہے - کیونکہ وہ منجمد خون ہوتا ہے - اس کے کھانے سے
بھی یہی اعراض - امراض اور عوارض پیدا ہوتے ہیں وہو العالم - حائری +

سوال - حضرات ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا مسائل دین میں قیاس کو باطل
اور حرام جاننا معلوم اور ثابت ہے - پھر اسی خانوادہ کے شاگرد رشید حضرت امام ابوحنیفہ
صاحب کیونکر قیاس فی الدین کر سکتے تھے - اس کا کیا ثبوت ہے - کہ انہوں نے قیاس
کیا - حوالہ کتب اہل سنت سے ہونا چاہیئے؟

الجواب - بات اصل میں یہ ہے کہ ابوحنیفہ صاحب کا قیاس کرنا کوئی پوشیدہ یا
مشتبہ امر نہیں ہے - خود اہل سنت کی تمام معتبرہ کتب سے ثابت ہے - ان کے
قیاس کرنے کی وجہ سے دین میں بہت خرابیاں پیدا ہوئیں +

دراسات اللبیب کے صفحہ ۲۳۶ میں ہے کہ صادق آل محمد علیہم السلام نے ابوحنیفہ
صاحب کو منع فرمایا کہ امور فقہ میں قیاس کو دخل نہ دیا کرو - اول جس نے قیاس کیا
وہ ابلیس تھا - ملل و نحل صفحہ ۲۰۸ میں ہے کہ مسائل شرعیہ میں ابوحنیفہ کا مدار قیاس پر
تھا - مولوی شبلی بھی کتاب سیرۃ النعمان کے صفحہ ۱۷ میں ابوحنیفہ صاحب کے
قیاسی اجتہاد کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابوحنیفہ صاحب کو علم دین میں
امام جعفر صادق علیہ السلام سے کوئی نسبت نہ تھی - کیونکہ تمام علوم اہل البیت
علیہم السلام کے گھر سے نکلے ہیں - جملہ علماء انہیں کے خوان نعمت سے ریزہ
چین ہیں +

مولوی عبدالحق لکھنوی نے جو مقدمہ ہدایہ لکھا ہے - اس کے صفحہ ۳ میں ہے کہ
ابن مسعود کا قول تھا - کہ جس نے دینیات میں قیاس کو دخل دیا - اس نے حلال کو
حرام اور حرام کو حلال کر دیا - میزان الشعراء کے صفحہ ۶۲ کو بھی دیکھ جاؤ جہاں لکھا
ہے کہ قیاس فی المسائل بدترین فتنہ ہے - اور دین میں قیاس سے کام لینا اسلام
کا منہدم کرنا ہے +

شاہ عبدالعزیز دہلوی حجۃ البالغہ کے صفحہ ۱۵۱ میں بحوالہ امام غزالی لکھتے ہیں کہ بعد ختم
ہونے زمانہ خلفاء راشدین کے علماء نے بنا بر حصول عزت و دولت مسائل فقہ
میں قیاس سے کام لینا شروع کیا +

بس میں اس سے زیادہ اس کے متعلق کچھ لکھنا نہیں چاہتا - اپنی اپنی جگہ پر ہر شخص
کو سمجھ لینا چاہیئے - کہ حدیثوں میں کس قدر قیاس کی مذمت باتفاق فریقین وارد

ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں قیاس [illegible]

فردوس الاخبار میں دیلمی نے جناب ختمی رسالت روحی فداہ سے روایت کی ہے۔

اول من قاس ابلیس فمن قاس امرالدین برایہ قرنہ اللہ بابلیس لانہ اتبعہ فی القیاس یعنے جس نے سب سے پہلے قیاس کیا ہے وہ ابلیس ہے۔ پس جو شخص امر دین میں اپنی رائے سے قیاس کریگا اس کو پیروی ابلیس کرنے کی وجہ سے خدا تعالےٰ اسی کے ہمراہ اٹھائیگا۔ نعوذ باللہ من النفس الامارۃ بالسوٓ والضلالۃ بعد الھدیٰ۔ وھوالعالم۔ حائری ✣

سوال - نماز تراویح جو ماہ مبارک رمضان میں سنت جماعت حضرات ثواب سمجھ کر پڑھتے ہیں اس کی کچھ اصلیت ہے بھی یا نہیں۔ جناب پیغمبر صلعم نے تراویح پڑھیں یا نہیں۔ یہ عبادت ہوکر بدعت کیونکر قرار پائیں؟

الجواب - اصل بات یہ ہے کہ جو امر متعلقہ عبادت عہد رسالتمآب صلعم میں نہ تھا اور بعد میں جاری ہوا وہ یقیناً بدعت ہے ✣

تراویح جس کو سنت جماعت حضرات ماہ مبارک رمضان میں پڑھتے ہیں عہد جناب ختمی نبوّت صلعم میں نہیں پڑھی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکر کے عہد میں بھی نہیں پڑھی گئیں۔ جب حضرت عمر صاحب کی خلافت کا زمانہ آیا تو آپ نے تراویح کو بعد از رسول دین میں احداث کیا اور جاری کیا۔ جیسا کہ ہدیۃ الشیعہ میں مولوی محمد قاسم نانوتوی نے بھی لکھا ہے۔ کہ تراویح پڑھنے پر تاکید اکید خلیفہ دوم نے کی ہے۔ اب خود آپ انصاف کریں۔ کہ پیغمبر صلعم کے بعد کسی شخص کو شریعت بیضا اور ملت غرا میں زیادہ یا کم کرنے کا کیونکر حق حاصل ہوسکتا ہے

تراویح کو نعم البدعۃ خود حضرت عمر نے بھی کہا ہے۔ بخاری نے لکھا ہے کہ اپنی مجوزہ عبادت (تراویح) کو خلیفہ دوم نے (کیا اچھی بدعت کی ہے) کا خطاب دیا ہے

تاریخ الخلفاء کے باب اولیات عمر میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے اول من سمی امیرالمومنین واوّل من سنّ قیام شہر رمضان واول من حرّم المتعۃ واول من نھی عن امھات الولد واول من جمع الناس فی صلوٰۃ الجنازۃ علی اربع تکبیرات یعنے عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں سب سے پہلے امیرالمومنین کا خطاب خود ہی اپنے لئے تجویز کیا۔ اور ماہ مبارک رمضان میں تراویح کی بنیاد ڈالی۔ اور متعہ کو حرام کیا اور نماز جنازہ میں ترمیم کی کہ پانچ کی چار تکبیریں کردیں ✣

اس سے صاف معلوم ہؤا کہ تراویح ایجاد اور احداث حضرت عمر ہے۔ جناب رسالت مآب صلعم کی مقرر کردہ نہیں ہے۔ نہ پیغمبر نے خود پڑھیں نہ ان کے زمانہ میں پڑھی گئیں +

عبادت صرف وہی ہو سکتی ہے جس کو شارع اسلام علیہ السلام نے بحکم خدا مقرر فرمایا۔ اور عملاً اپنی اُمّت کو سکھایا اور دکھایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ غیر ذمہ دار کوئی شخص اپنے قیاس اور خیال سے کوئی عبادت مقرر کر دیوے۔ ایسا کرنا احداث فی الدین ہے اور بجائے ثواب کے لازماً وہ موجب عذاب ہو جاتا ہے سنو غور کرو۔ کہ پانچوں وقت کی مقررہ نمازوں میں زیادہ عبادت کرنے کی غرض سے اگر کوئی ایک ایک رکعت زیادہ کر دیوے۔ مثلاً نماز صبح کو تین رکعت شام کی چار رکعت۔ خفتن۔ ظہر اور عصر کی پانچ پانچ رکعت اگر کوئی پڑھے۔ تو اس کی وہ سب نمازیں اس لئے باطل ہیں۔ کہ حکم خدا کے وہ مخالف پڑھی گئیں حالانکہ اصل نماز میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ زیادہ عبادت کیگئی۔ مگر خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں سے گذر جانے کی وجہ سے وہ سب عبادت اور نمازیں ان کی باطل ہو جائینگی۔ ومن یتعد حدود اللہ فاولٰئک ھم الظٰلمون۔ پ۲ ع۱۲ یعنے اور جو اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے آگے بڑھ جائیں وہی لوگ ظالم و بر سرِ ناحق ہیں۔ اب اس سے ثابت ہے کہ عبادات مقررہ شرعیہ میں کسی عبادت کے ہٹا دینے یا بڑھا دینے کا پیغمبر کے بعد کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ جو ایسا کرے گا وہ حدود مقررہ الٰہیہ سے گذر جانے کی وجہ سے ظالم ہوگا۔ وہو العالم۔ حائری +

سوال ۔ خدا یتعالیٰ کی ذات لذت و الم سے متصف ہو سکتی ہے یا نہیں اگر ہو سکتی ہے تو اس کی نوعیت بیان فرمائیں اور اگر نہیں ہو سکتی تو اس کی دلیل بیان کریں۔ ایک صوفی ہمہ اوست نے اس موضوع پر تقریر کی تھی۔ جس پر میری تسلی تو کیا ہوتی کچھ اور شکوک و شبہات اس میں پیدا ہو گئے ہیں؟

الجواب ۔ متکلمین کے نزدیک لذت اور الم تابع مزاج ہیں۔ اور مزاج کا وجود بدوں ترکیب کے نہیں ہو سکتا۔ اور واجب الوجود کا جب جسم ہی نہیں تو ترکیب کیسی۔ یہ باتیں جو لوازمات جسم ہیں ذات مجرد واجب الوجود کے لئے محال ہیں بناءً علیہ متکلمین قائل ہیں کہ لذت اور الم دونوں سے ذات خدائے تعالےٰ

لذت و الم سے خدا متصف ہو سکتا ہے یا نہیں

متصف نہیں ہو سکتی جیسا کہ کتب کلامیہ میں بتفصیل مذکور ہے +

حکماء کے نزدیک الم خدایتعالےٰ کے لئے اس لئے محال ہے۔ کہ الم کا سبب ادراک منافی ہے اور منافی خدائیتعالےٰ کے لئے نہیں۔ لیکن لذت ذات واجب الوجود کے لئے ثابت تو ہے۔ مگر بلحاظ ادب کے ابتہاج سے اس کو موسوم کرتے ہیں دلیل ان کی یہ ہے کہ لذت ادراک ملائم ہے۔ پس جب خدایتعالےٰ اپنی ذات کا عالم اور ایسا علم شدید ترین ملائمات اس جہت سے ہے کہ ذات اس کی جامع جمیع کمالات ہے۔ پس خدائے تعالےٰ کا ابتہاج اعظم لذات ہے +

بعض علمائے نے کہا ہے کہ یہ قول کچھ بعید نہیں ہے۔ مگر چونکہ شرع سے اجازت اس کی معلوم نہیں ہے۔ کہ خدایتعالےٰ لذت سے موصوف کیا جائے۔ اس وجہ سے اس مسئلہ میں توقف اولیٰ ہے۔ شاید اسی بنا پر خدا کے لئے لذت کا اثبات نہیں کرتے۔ یا اس لئے کہ وہ اپنی ان دلیلوں کو قوی سمجھتے ہیں جو انہوں نے نفی لذت پر قائم کی ہیں۔ مثل اجماع وغیرہ کے کما لا یخفیٰ۔ وہو العالم۔ حائری

سوال۔ یہاں ہمارے قصبہ میں ایک مولوی صاحب عوام شیعوں کو کوئی کتاب دکھاتے پھرتے ہیں۔ جس میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر ہیں ان کا بیان ہے کہ یہ شیعوں کی کتاب ہے۔ ارشاد فرمائیں کہ شیعوں میں کوئی ایسی حدیث وارد ہے ؟

الجواب۔ جب تک کتاب اور اس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو۔ اس کی نسبت کیونکر کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ مگر یہ بات بھی بوثوق کہی جا سکتی ہے کہ شیعوں کی کسی کتاب یا حدیث میں ابوبکر صاحب کو یقیناً صدیق کے خطاب سے ذکر نہیں کیا گیا۔ ایسا کہنے والے نے شیعوں پر ضرور افترا باندھا ہے۔ ہمارا دعوےٰ بادلیل یہ ہے کہ صدیق اکبر صرف جناب امیر علی علیہ السلام کا متفقہ فریقین خطاب ہے۔ قرآن مجید میں صرف علی ابن ابی طالب کو ہی خطاب صدیق سے یاد کیا گیا ہے۔ جہاں کہ فرمایا ہے۔ انعم اللّٰہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین کیونکہ حقیقی معنوں میں مرتبہ صدیقین۔ مرتبۂ شہداء۔ مرتبۂ صالحین آپ ہی کی ذات بابرکات میں ثابت ہے جمہور مفسرین فریقین کا اس پر اتفاق ہے۔ کیونکہ جناب ولایت مآب علیہ السلام کی ذات مجمع الصفات میں بجز نبوت کے تینوں اوصاف بفحوائے

نور علیٰ نور موجود تھے - امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لئے وجہ تسمیہ صدیق یہ ہے
کہ آنجناب نے جملہ امور دین کی بے چون وچرا تصدیق کر لی تھی اور مدت العمر دین
کے کسی امر میں شک نہ لائے جس پر آپ کا قول لو کشف الغطاء ما ازددت
یقیناً شاہد ہے - قرآن مجید بھی اس کی تائید کرتا ہے - جہاں فرمایا ہے کہ والذین
آمنوا باللہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون ورنہ صحابہ میں تو ایسے بھی تھے
جن کو منٹ منٹ میں حضور ختمی نبوت صلعم کی نبوت میں شک واقع ہوتا
رہا - جس پر ان کا قول ما شککت فی نبوتک کشکی یومی ھذا شاہد ہے
(بخاری) ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا + اور یا اس کی وجہ تسمیہ
ہو سکتی ہے - کہ آنجناب علیہ السلام - اسلام لانے اور خدا ورسول اور
یوم قیامت کی تصدیق کرنے میں سب پر سبقت رکھتے ہیں - پس سب سے
پہلے پیغمبر صلعم کی تصدیق کرنے کی وجہ سے آنجناب علیہ السلام صدیق کے نام
اور خطاب سے مخصوص کئے گئے - قرآن اور حدیث دونوں اس دعوے کے
ثبوت کی تائید اور شہادت میں باعتراف ائمہ اہل سنت جماعت پیش کرتا ہوں
عن عبد اللہ بن عباس فی قولہ تعالےٰ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا
مع الصادقین قال مع علی لانہ سید الصادقین در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۹۰ مطبوعہ مصر
یعنے ابن عباس سے مروی ہے - کہ اس آیت میں کہ (اے لوگو ایمان والو تم اللہ سے
ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) مراد یہ ہے کہ صرف علی ؑ کے ساتھ ہو جاؤ کیونکہ
وہ تمام سچوں کا سردار ہے - اخرجہ الثعلبی فی تفسیرہ وابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء
وابن عساکر - وابوبکر بن مردویہ - والسیوطی فی الدر المنثور - وسبط ابن
الجوزی فی تذکرۃ خواص الامہ +

حدیث نمبر ۲ - سلمان فارسی - اور ابوذر غفاری سے مروی ہے قال رسول
اللہ صلعم لعلی انت اول من امن بی وصدق وانت صدیق الاکبر یعنے جناب
ختمی مآب صلعم نے علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تو وہ شخص ہے جو سب سے پہلے
مجھ پر ایمان لایا - اور میری تصدیق کی ہے اور تو ہی صدیق اکبر ہے - اخرجہ
الحاکم - والدیلمی - والطبرانی فی ریاض النضرۃ +

حدیث نمبر ۳ - عباد بن عبد اللہ سے مروی ہے قال علی انا عبد اللہ و
اخو رسول اللہ صلعم وانا صدیق الاکبر لا یقولھا ذٰلک غیری الا کاذب

صلّیت قبل الناس سبع سنین یعنے جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا - میں خدا بندہ اور رسول خدا صلعم کا بھائی ہوں - اور میں ہی صدیق اکبر ہوں - یہ دعوے میرے سوا کوئی نہیں کر سکتا مگر جھوٹ بولنے والا - میں نے سات برس پہلے سب سے نماز پڑھی ہے - اخرجہ احمد فی المناقب والنسائی فے الخصائص - والحاکم فی المستدرک والحافظ - ابو زید عثمان بن ابی شیبہ فی سننہ وابن عاصم فی السنتہ - والحافظ ابو نعیم فی الحلیہ - والعقیلی وغیرہم +

علیؓ کے فاروق الامہ - صدیق اکبر ہونے کا مفصل ثبوت

حدیث نمبر ۴ - ابن عباس اور ابی لیلے سے مروی ہے قال رسول اللّٰہ صلعم الصدیقون ثلثۃ حبیب النجار مومن آل یسین وحزقیل مومن آل فرعون و علی ابن ابی طالب وھو افضلھم - اخرجہ البخاری - عن ابن عباس و احمد عن ابی لیلے و فی صواعق محرقہ یعنے پیغمبر صلعم نے ارشاد فرمایا کہ صدیق صرف تین ہیں - حبیب نجار حواریین مسیح پر ایمان لانے والا - اور دوسرا حزقیل آل فرعون میں موسےؑ پر ایمان لانے والا - تیسرا علے ابن ابیطالب جو ان سے بھی افضل ہے - پس جناب امیر کا صدیق ہونا تو شیعہ سنی دونوں کی حدیثوں سے ثابت ہے - علیؑ کے سوا کسی دوسرے کے لئے صدیق ہونے کا دعوے کرنا ہی جب کذب ہے - تو شیعہ اپنی کتابوں میں کیونکر خلاف واقع ایسا لکھ سکتے ہیں - عوام فریبی کی غرض سے جو شخص ایسا بے سر و پا غلط دعوے کرنے والا ہو اُس کے ثبوت کا وہ ذمہ وار ہے +

حدیث نمبر ۵ - سلمان فارسی اور ابو ذر غفاری سے مروی ہے اخذ رسول اللّٰہ صلعم بید علی ان ھٰذا اول من اٰمن بی وھٰذا فاروق ھٰذہ الامہ وھٰذا یعسوب المومنین وھٰذا یصافحنی یوم القیامہ وھٰذا الصدیق الاکبر یعنے جناب پیغمبر صلعم نے جناب امیر علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا - یہ ہے وہ شخص جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے - اور یہ شخص اس امت میں حق و باطل کے درمیان فرق کرنیوالا ہے - اور یہی شخص مومنوں کا یعسوب (امیر) ہے اور یہی وہ شخص ہے جو قیامت کے روز سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کرے گا اور یہی شخص صدیق اکبر ہے - اخرجہ الدیلمی والطبرانی فی الکبیر فی مسند سلمان - مگر افسوس کہ غصب منصب کے ساتھ انکے ناموں پر بھی قبضہ جما لیا گیا ہے +

اب خطاب شہید کے متعلق بھی غور فرمالیں - کہ اس سے علی علیہ السلام مراد ہے

عربی لغت میں شہید کے دو معنے لیتے ہیں۔ ایک تو شاہد جو رسالت پر شہادت دیوے۔ دوسرے معنے مقتول فی سبیل اللہ۔ اب دیکھو کہ یہ دونوں معنے جناب امیر علیہ السلام میں موجود اور ثابت ہیں۔ آپ ان دونوں معنوں سے شہید ہیں پہلے معنے کا ثبوت تو عاد بن عبداللہ سے مروی ہے۔ قال سمعت علیاً یقول علی المنبر ما من قریش رجل الا وقد نزلت فیہ ایۃ او ایتان فقال رجل فما نزل فیک فغضب ثم قال لولم تسئلنی علی رؤس القوم ما حدثتک ویحک ھل تقرء سورۃ ھود ثم قرء افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ فقال رسول اللہ صلعم علی بینۃ من ربہ وانا شاھد منہ یعنے عاد نے کہا کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو منبر پر کہتے سنا کہ قریش میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جسکے حق میں ایک دو آیتیں نازل نہ ہوئی ہوں ایک شخص نے پوچھا۔ آپ کی شان میں کونسی آیت نازل ہوئی ہے۔ جناب علی علیہ السلام نے غصہ ہو کر فرمایا اگر تم نے سب کے سامنے نہ پوچھا ہوتا تو میں ہرگز تمہیں نہ بتاتا۔ افسوس کیا تم نے سورۂ ہود کو نہیں پڑھا جس میں خدا فرماتا ہے (ترجمہ) آیا جو شخص کہ اپنے رب سے دلیل روشن پر ہے اور اُسی کے متعلق ایک گواہ آئے اُسی کی طرف سے۔ پس پیغمبر صلعم تو علی بینۃٍ من ربہ ہیں اور یتلوہ شاھد منہ میں ہوں۔ اخرجہ فی فقیہ ابن مغازلی۔ وابن ابی حاتم۔ وابن عساکر۔ والسیوطی فی الدر المنثور۔ والثعلبی فی تفسیرہ۔ والواحدی فی اسباب النزول و ابن جریر الطبری۔ وابن المنذر ابو الشیخ۔ وابن مردویہ۔ والبغوی فی معالم التنزیل +

اسیطرح ابن عباس سے مروی ہے افمن کان علی بینۃ من ربہ رسول اللہ صلعم ویتلوہ شاھد منہ علی بن ابیطالب یعنے جو شخص کہ اپنے رب سے دلیل روشن پر ہے وہ جناب ختمی مآب صلعم ہیں اور اسکے متصل ایک گواہ آئے اسی کیطرف سے وہ جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔ اخرجہ الثعلبی فی تفسیرہ

اب شہید فی سبیل اللہ کا ثبوت بھی ملاحظہ فرمالیں۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے قالت رایت رسول اللہ صلعم التزم علیاً وقبلہ وھو یقول بابی الوحید الشہید یعنے عائشہ نے کہا کہ میں نے جناب پیغمبر فداہ روحی کو دیکھا کہ جناب امیر علیہ السلام کو گلے سے لگائے چوم رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں میرا باپ قربان ہو اکیلا ہے اور شہید ہونیوالا ہے مرتبہ صالحین کے متعلق بھی سن لیں الصالح ھو الذی یکون صالحاً فی اعتقادہ وفی عملہ یعنے صالح وہ ہوتا ہے جو اپنے اعتقاد و عمل میں صالح ہو۔ کیونکہ جہل سے فساد فی الاعتقاد ہوا کرتا ہے اور معصیت سے فساد فی العمل پیدا ہوتا ہے۔ جناب امیرؑ چونکہ باب حکمت تھے اسلئے فساد فی الاعتقاد سے یقیناً محفوظ تھے۔ اور چونکہ دنس

معصیت سے طاہر اور پاک تھے۔ اس لئے قرآن مجید نے جناب امیر علیہ السلام کے صالح المؤمنین ہونے کی شہادت دی ہے +

ابن عباس سے مروی ہے فی قولہ تعالےٰ ہو مولاہ وجبریل وصالح المومنین قال ھو علی ابن ابیطالب یعنے اس آیت میں صالح المؤمنین سے علی ابن ابیطالب مراد ہیں اخرجہ ابن مردویہ وابن عساکر +

اسی طرح اسماء بنت عمیس سے روایت ہے قالت سمعت رسول اللہ صلعم یقول صالح المومنین علی بن ابیطالب یعنے اسماء نے کہا کہ جناب ختمی مآب صلعم نے فرمایا کہ صالح المؤمنین علی ابن ابیطالب ہے۔ اخرجہ ابونعیم وابن ابی حاتم والمتقی فی کنز العمال پس اب تو قرآن اور حدیث سے ثابت ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام نہ صرف صدیق اکبر ہی تھے بلکہ فاروق الامہ۔ شہید اور صالح المؤمنین بھی وہی تھے۔ ان کے سوا کوئی دوسرا شخص باتفاق فریقین صدیق نہیں ہے۔ بلکہ صدیق ہونے کا مدعی کاذب ہے۔ وہوالعالم۔ حائری +

جناب امیر علیہ السلام نے زمانہ خلافت میں فدک میں تصرف کیوں نہیں کیا

سوال۔ جب جناب امیر علیہ السلام تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو باغ فدک کو اپنے تصرف میں کیوں نہیں لائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ فدک کو اپنا حق نہ سمجھتے تھے

الجواب۔ یہ غلط ہے کہ فدک آپ کا حق نہ تھا۔ ورنہ کسی طرح آپ شہادت میں نہ گذرتے۔ زمانہ خلافت میں جناب امیر علیہ السلام کا فدک میں تصرف نہ کرنا مختلف وجوہ اور اسباب پر مبنی تھا۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ تصرف نہ کرنے میں مقصود اپنے نفس سے رفع تہمت کرنا تھا۔ کہ یہ ثابت ہو جائے کہ آنجناب علیہ السلام کی شہادت فدک کے متعلق جلب منفعت کی غرض سے نہیں تھی۔ جیسا کہ ابوبکر صاحب نے اسی گمان سے اس وقت رد شہادت کی تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہے کہ جو چیز ظلماً ہم سے چلی جائے پھر اس کی طرف ہم رجوع نہیں کیا کرتے جیسا کہ منقول ہے۔ کہ عقیل بن ابیطالب نے مکہ میں پیغمبر صلعم کا مکان ان کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا تھا۔ فتح مکہ ہونے پر کسی نے عرض کیا کہ حضور اب اپنے مکان میں فروکش ہوں۔ پیغمبر صلعم نے ارشاد فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لئے کہاں مکان چھوڑا ہے۔ ہم وہ اہل بیت ہیں کہ ظلماً جو مال ہم سے چلا جائے۔ پھر ہم اس میں تصرف نہیں کیا کرتے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جناب امیر علیہ نے نہیں چاہا کہ جس چیز سے سیدہ ناراض گئی ہیں اس کے تصرف کرنے سے آپ اور آپ کی اولاد مسرور ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جناب امیر علیہ السلام نے ایام خلافت میں فدک پر کیوں قبضہ نہیں کیا فرمایا اسلئے کہ فاطمہؑ اور ابوبکر دونوں وفات پاچکے تھے اور خدا کے پاس سے اپنی اپنی جزا کو پہنچ چکے تھے۔ وہو العالم۔ حائری

سوال۔ نمبر۱۔ صلوات کے اصلی معنے کیا ہیں آیا صلوات در رحمت مراد فا ورہم معنے ہیں۔ نمبر۲۔ صلوات خدا صلوات ملائکہ صلوات مومنین ایک ہی چیز ہیں یا ان میں فرق ہے۔ نمبر۳۔ نفع صلوات مصلی کی طرف راجع ہے یا مصلی علیہ کی طرف؟

الجواب۔ مشہور تو یہ ہے کہ صلوات خدا سے رحمت مراد ہے۔ صلوات ملائکہ سے استغفار اور مومنین کی صلوات سے مراد دُعا ہے۔ لیکن ارباب ذوق کے نزدیک یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ اصل عدم شرکت ہے باوجود اسکے آیہ مجیدہ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی کی طرح محذور میں استعمال لفظ اکثر معنوں میں واقع ہوتا ہے! ور بکات ضیق واجب التاویل۔ رحم متعدی ہے اور صلے لازم۔ متعدی کو لازم سے تعبیر کرنا کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ عام طور پر دعا اگر بلفظ علے سے متعدی ہو تو نفرین کے معنے دیتا ہے مگر صلے علے کے ساتھ متعدی ہوتے سے ترحم کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ اختلاف حکم تراوفین محال ہے۔ اسلئے محققین کے نزدیک صلوات کے جامع معنے انعطاف کے ہیں۔ یہی اسکی حقیقت ہے جو ہر موقع میں ایک تراور ہر موضع میں ایک ظہور رکھتی ہے۔ خدا تعالےٰ کا انعطاف ایک خاص صورت رکھتا ہے اور دوسروں کے انعطاف کی نوعیت علیحدہ ہے۔ محققین نے صلوات کو پہلی صورت میں تفسیر و تعبیر کیا ہے۔ غالباً انکا مقصود بھی یہی ہے۔ نہ لفظ مستعمل فیہ۔ وہ لوگ بےخبر ہیں جنہوں نے توہم اشتراک کیا ہے۔ رہا نفع صلوات کا راجع ہونا مصلے یا مصلے علیہ کیطرف اس میں اختلاف ہے محقق صورت دوم ہے۔ کیونکہ فقر و حاجت قوام ذات ممکن ہے۔ غنی اور افاضہ واجب الوجود کے لئے مخصوص ہے ناممکن ہے کہ ممکن بے نیاز و مستغنی ہوجائے یا ایہا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ہو الغنی الحمید اسی طرف اشارہ ہے۔ محقق یہ ہے کہ جو وجود اقوے ہوگا اور اکمل اسکا تعلق و فقر مبدء سے اسی قدر زیادہ ہوگا۔ جیسا کہ مقتضائے امکان وجودی جو عبارت ہے تعلقیت ذات اور ظلیت جوہر سے وہ یہ ہے واضح تر یہ ہے کہ ہیولائے انسانی اور مادۂ خاصہ نبوت اعلائے مراتب ہے استعداد و قبول میں جملہ انواع کے لئے فیوض و خیرات میں اور وہ غیر متناہی القوت ہے۔ ادھر مبدء فیاض جل جلالہ بھی غیر متناہی القوت ہے۔ نہ اس جانب سے قصور ہے نہ اسطرف کوئی فتور۔ وہو العالم۔ حائری

سوال۔ حضرات سنت جماعت صلوات (درود) پڑھنے میں آل محمد علیہم السلام کو شامل نہیں کیا کرتے۔ ان کے یہاں حدیثوں میں ان کی ممانعت وارد ہے یا نہیں؟

الجواب۔ آل محمد علیہم السلام کو صلوات میں شامل و ضم کرنا فریقین کی احادیث صحیحہ متواترہ میں وارد ہے ازانجملہ اکثر اصول معتمدہ اہل سنت میں منقول ہے کہ جناب ختمی رسالت فداہ روحی سے پوچھا گیا کہ ہم آپ پر صلوات پڑھا کریں ارشاد فرمایا اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔

صلوات میں آل محمدؐ کو شامل کرنا ضروری ہے

مخصوصا یہی صلوات تشہد نماز میں بنابرایک قول شافعی کے واجب ہے جیسا کہ تقریب ابی شجاع - اور ابی القاسم وغیرہ میں مذکور ہے کہ یہ دونوں علماء شافعیہ سے ہیں اور شافعی کا یہ شعر مشہور ہے ؎

یا آل بیت رسول اللہ حبکم ؛ فرض من اللہ فی القرآن انزلہ + کفاکم من عظیم الفخر انکم ؛ من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

یہ شاہد وجوب ہے مگر نفی کمال پر محمول کیا گیا ہے نہ نفی حقیقت پر جیسا کہ نور الابصار میں شبلنجی نے لکھا ہے +

ینابیع المودۃ میں شیخ سلیمان قندوزی حنفی نے صواعق اور جواہر العقدین سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر صلعم نے ارشاد فرمایا ہے لا تصلوا علی الصلوۃ البتیرا قالوا وما الصلوۃ البتیرا یا رسول اللہ قال تقولون اللہم صل علی محمد و تسکتون بل قولوا اللہم صل علی محمد و علی آل محمد کہ مجھ پر صلوٰۃ دم بریدہ (بتیرا) مت بھیجو لوگوں نے کہا صلوٰۃ بتیرا کیا ہے فرمایا جو کہتے ہو اللہم صل علی محمد اور خاموش ہو جاتے ہو بلکہ کہو اللہم صل علی محمد و علی آل محمد - پس باوجود اس حکم کے بھی مسلمان ہو کر اگر کوئی آل کو پیغمبر صلعم کے ہمراہ نہیں شامل کرے گا تو وہ اپنے اسلام کا خود ذمہ وار ہو گا +

قرآن مجید میں تو آیت ھو الذی یصلی علیکم اور آیت فصل علیہم ان صلوتک سکن لھم اور بشارت کریمہ اولئک علیہم صلوات من ربھم و رحمۃ میں دلالت بالصراحت ہے کہ عموم اہل ایمان پر بھی صلوات بھیجنا جائز ہے اور عمل صحابہ سے بھی منقول ہوا ہے کہ آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام بھیجا کرتے تھے - مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس تیرھویں صدی کے بعض مسلمانوں کا یہ شعار ہو گیا ہے کہ جہاں پیغمبر صلعم کا ذکر آ گیا صلی اللہ علیہ وسلم کہدیا اور اس کے ہمراہ و آلہ کہنا ناپسند کیا -

ینابیع المودۃ میں شیخ سلیمان نے حافظ ابو نعیم اور جماعت مفسرین سے روایت کی ہے جس کی سند مجاہد اور ابی صالح تک پہنچتی ہے - یہ دونوں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آل یٰسین آیت سلام علی آل یٰسین میں آل محمد علیہم السلام ہیں - کیونکہ جناب ختمی نبوت فداہ روحی کے ناموں میں ایک نام یٰسین بھی ہے - باوجود اس نص صریح کے بھی یہ مسلمان آل محمد علیہم السلام پر صلوات و سلام بھیجنے میں بخل کرتے ہیں اور انکی دوستی کا پھر دم بھی بھرتے ہیں +

کشاف میں زمخشری نے اس کی علت کی طرف اشارہ کیا ہے - جہاں فرمایا ہے کہ قیاس جواز صلوٰۃ غیر نبی پر ہے بدلیل آیت زکوٰۃ وھو الذی الخ اور بقول رسول خدا صلعم اللہم صل علی آل ابی اوفی اور تفصیل کرتا ہے کہ ذکر تبعی تو جائز ہے مگر بالاستقلال مکروہ ہے اسلئے کہ شعار ذکر نبی ہو چکا ہے - اب اگر نبی کے ہمراہ آل کو شامل اور ضم کر دیا جائے تو رافضی ہونیکا اتہام ہوتا ہے - اور پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم - اور فتح الباری میں ابن القیم سے نقل کیا گیا ہے - کہ المختار ان یصلی علی الانبیاء والملائکۃ وازواج النبی وآلہ وذریتہ واھل الطاعۃ علی سبیل الاجمال ویکرہ فی غیر الانبیاء لشخص مفرد بحیث یصیر شعارا لاسیما اذا ترک فی حق مثلہ او افضل منہ کما یفعلہ الرافضۃ الی آخر کلامہ - عجب تر یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اصول صحیحہ میں اللہم صل علی آل ابی اوفی اور صل علی آل سعد بن عبادہ پیغمبر صلعم سے نقل کرتے ہیں - اور فتح الباری میں ہے

کہ بنا بر مذہب حسن بصری - مجاہد - اسحاق - ابو ثور - داؤد طبری غیر انبیا پر صلوات جائز ہے
منہاج السنّۃ میں ابن تیمیہ نے لکھا ہے ابو حنیفہ کے متعلق کہ مذہبہ انہ یجوز الصلوٰۃ علے
غیر النبی کابی بکر و عمر و عثمان و علی وھو اختیار اکثر اصحابہ کالقاضی ابی یعلے وابن
عقیل وابی محمد عبد القادر الجیلی پس باوجود اتفاق کر لینے اس جماعت کے صرف زمخشری
اور ابن القیم کا ممانعت کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا - اور جو وجہ انہوں نے ذکر کی ہے کہ یہ رافضی
کہلانے کی تہمت کا باعث ہے اہل علم کے نزدیک مردود ہے - قابل وقعت نہیں ہے +
غرض چونکہ آل کو پیغمبرؐ کے ہمراہ صلوات میں شیعہ حضرات شامل کرتے ہیں - باوجود کتاب
سنت - عقل اور اجماع شاہد جواز ہونے کے بھی یہ لوگ اس کو ترک کر دیتے ہیں کہ رافضی کہلانے
میں متہم نہ ہو جائیں - پس بہتر ہے کہ اسی لحاظ سے جملہ فرائض اور سنن سے بھی اجتناب
کریں اور رافضی نہ کہلائیں - صرف صلوات ہی کی کیا خصوصیت ہے وہو العالم - حائری

سوال - معرفت خدا حاصل کرنے سے مراد کیا ہے - جب خدا یتعالےٰ جسم اور جسمانی
لوازم سے منزہ اور پاک ہے - تو ہم اس کی معرفت کیونکر حاصل کر سکتے ہیں ؟

الجواب - اصل بات یہ ہے کہ شکر نعمت عقلاً واجب ہے - کیونکہ شکر گذاری سے منعم
راضی ہوتا ہے اور نعمت میں زیادتی ہوتی ہے - ازیاد نعمت فطرۃً ہر نفس کو مطلوب ہے
اور شکر سے یہ مراد ہے کہ اس سے دل میں احساس کا اعتراف اور اعضاء و جوارح سے
منعم کی رضا جوئی اور خدمت کا بجا لانا ہے +

اب غور کرنے سے آسانی کے ساتھ عقلمند نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ خدا یتعالےٰ نے
انسان کے لئے کیا کیا نعمتیں عطا کی ہیں - اگر صرف انسان کی جسمانی نعمتوں کا شمار کیا جائے
تو بلا شبہ ان کی حد مقرر کرنا دشوار ہے - جن میں اگر ایک نعمت بھی مفقود ہو جائے تو پھر اس
کی قدر معلوم ہو - مگر نعمتوں کا شکریہ منعم کی معرفت پر موقوف ہے - پس نتیجہ یہ نکلتا ہے - کہ
منعم حقیقی (خدا) کی معرفت واجب ہے - اسی لئے جناب امیر علیہ السلام نے بھی خطبہ میں ارشاد
فرمایا ہے - اول الدین معرفتہ وکمال معرفتہ توحیدہ کہ اول دین خدا کی معرفت حاصل کرنا
ہے - مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کی معرفت نہیں رکھتا اس کا دین ثابت نہیں ہے
مگر کنہ ذات خدا کی معرفت لاریب ناممکن ہے ما عرفناک حق معرفتک اسی طرف اشارہ
ہے - کیونکہ وہ ایسا وجود مطلق ہے - کہ ہر شرط اور ہر قید سے وہ بری ہے - یہ مختلف نام اور صفات
جو اس کی ذات سے متعلق ہیں وہ عبارات خاصہ میں بقدر فہم انسانی اسلئے مقرر ہوئے ہیں تاکہ
بقدر ضرورت معرفت خدا حاصل کر سکے - اور اس سے نتائج پیدا کرنے میں آسانی ہو +

یہ صفات الٰہی کچھ تو ایسے ہیں جو ذات خدا کے لئے ثابت ہیں اور ان صفات سے اس کی
ذات کا بدرجہ کمال موصوف ہونا عقلاً ثابت ہے - لہٰذا ان کو صفات ثبوتیہ کمالیہ کہتے ہیں اور
کچھ صفات ایسی ہیں - جن کا سلب ہونا یعنے ذات خدا میں نہ پایا جانا عقلاً ثابت ہے - لہٰذا
ان کا نام صفات سلبیہ رکھا ہے - پس انہیں صفات ثبوتیہ و سلبیہ کا سمجھنا ہی معرفت خدا ہے

کیونکہ اس کی صفات عین ذات ہیں۔ ورنہ تعدد قدماء لازم آئیگا اور یہ کفر ہے۔ اور جب تک
اس کی ذات کو صفات کمالیہ سے موصوف اور صفات سلبیہ سے منزہ اور پاک نہ سمجھ لیا جائے
اُس وقت تک نظام عالم کا شیرازہ کسی بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا۔ نہ خالق و مخلوق اور عابد
و معبود میں تمیز ہو سکتی ہے۔ وہو العالم۔ حائری +

سوال - دنیا میں انسان کو جس قدر رنج والم پہنچتے ہیں۔ اس کا کیا باعث ہے۔ جبکہ
خدا تعالیٰ عادل ہے ظلم نہیں کرتا۔ تو بندوں کو رنج و الم میں مبتلا کرنا اس کی عدالت میں قادح
نہیں ہو سکتا بدلائل اطمینان فرمایا جائے +

الجواب - اصل بات یہ ہے کہ دُنیا میں مصائبُ الالام اور امراض و اسقام میں خواص و عوام
انام کا مبتلا ہونا یقیناً عدالت الٰہیہ میں کسی طرح قادح نہیں ہوتا۔ کیونکہ رنج والم یا بصورت
حسن ہوگا اور یا بصورت قبیح اس دوسری صورت کا خدا سے اپنے بندوں کے حق میں
صادر ہونا محال ہے۔ کیونکہ وہ قبیح کا مرتکب ہی نہیں ہوتا۔ رہی پہلی صورت وہ چھ وجہ
پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ جو سب کی سب حسن ہیں +

اوّل وہ رنج والم ہے جس سے کوئی منفعت حاصل ہو۔ اور رنج پہنچانیوالا اس
رنج کے عوض اس شخص کے لئے کچھ مقرر کر دے جس سے آئندہ کے لئے وہ رنج والم بر
نفع کو ترجیح دیکر اس کے تحمل پر راضی ہو جائے ایسے رنج ہر عقلمند بخوشی خاطر قبول کر سکتا ہے
جیسے انسان تحصیل علم کے لئے محنت و مصائب کو گوارہ کرتا ہے یا مثلاً تجارت میں جلب منفعت
کی غرض سے انواع و اقسام کی زحمتوں مصیبتوں کو بخوشی پسند کرتا ہے۔ بس اسی طرح خدا کی
طرف سے بندوں کو جس قدر رنج پہنچتے ہیں وہ ضرور فائدہ کثیر پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے
حسن ہے۔ قبیح نہیں جو عدالت میں قادح ہو سکے۔ پس ہر عقلمند اس کو پسند کریگا۔ مگر نفس
عابد کے اطمینان ہونے یا نہ ہونے کا انسان خود ذمہ دار ہے۔ ورنہ خدا تعالےٰ تو اپنے وعدہ
کی کبھی مخالفت نہیں کرتا ان اللہ لا یخلف المیعاد +

وجہ دوم - یہ ہے کہ موجودہ رنج کسی آئندہ زیادہ رنج کو دفع کرنیوالا ہو۔ جیسے فصد مثلاً
یا دوا تلخ یا اپریشن کی ایذا کا متحمل ہونا یقیناً ہر دانشمند کے نزدیک بہتر ہے اس آئندہ الم و رنج
جو اس شخص کی ہلاکت کا باعث ہو جائے +

وجہ سوم یہ ہے کہ اگر کوئی الم و رنج باقتضاء عادت کے حاصل ہو۔ مثلاً کوئی اپنی سوء تدبیر
سے خود کو آگ میں جلا دیوے یا پانی میں غرق کر دے۔ تو خدا پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ
اس نے آگ کو جلا دینے والی یا پانی کو ڈبو دینے والا کیوں پیدا کیا +

وجہ چہارم - جو الم و رنج اُجرت کے عوض میں حاصل کیا جائے مثلاً نوکر یا مزدور جلب منفعت
کی غرض سے الم و رنج کو پسند اور گوارا کرتا ہے +

وجہ پنجم یہ ہے کہ جو رنج والم سزا عمل میں کسی کو پہنچے۔ مثلاً اگر کوئی شخص خون ناحق
کی پاداش میں سزا قتل کا مستحق ہو۔ یا حصول مطالب کے لئے تدابیر ناقصہ کی وجہ سے ص

بندوں کا آلام و اسقام میں مبتلا ہونا عدالت خداوندی میں قادح نہیں ہوتا

والام میں مبتلا ہو۔ تو یہ بھی حسن ہے۔ ان کو قبیح نہیں کہہ سکتے۔ جن کے سبب سے خدا پر کسی قسم کا
کوئی الزام آسکے +

پس اگر خدا کیطرف سے کوئی رنج پہنچے بھی تو وہ انہی اقسام مذکورہ میں سے ہو سکیگا۔ جو یقیناً حسن ہے
مخالف عدالت یا ظلم نہیں ہو سکتا +

مذکورہ بالا صورتوں میں بعض ایسی صورتیں بھی ہیں جو محض انسان کے اپنے افعال سے تعلق رکھتی ہیں
اور بعض میں ارادۂ خدا تعالےٰ کو بھی دخل ہوتا ہے۔ مثلاً جان و مال و اولاد کا بغیر اسباب ظاہری کے
تلف ہو جانا۔ اس میں خدا کی جانب سے لازماً عوض حاصل ہو گا جیسا کہ اس نے وعدہ کیا ہے +

لیکن جو صدمات اور رنج کہ سزائے اعمال میں غیب سے انسان کو پہنچتے ہیں وہ اس کے لئے تو
خصوصاً اور دوسروں کے لئے عموماً موجب عبرت اور مبنی بر حکمت مصلحت نہایت مفید ہوتے
ہیں۔ ہر چند کہ انکی ظاہری حکمت اور مصلحت کا علم حاصل نہ ہو +

رہا کمی رزق یا اختلاف مراتب وغیرہ یہ بھی خلاف انصاف یا ظلم میں داخل نہیں ہو سکتا۔
کیونکہ رزاق کے معنے ہیں سامان مہیا کر دینے والا۔ اور اسکی تدبیر پیدا کر دینے والا۔ نہ منہ میں لقمہ بنا کر
رکھ دینے والا۔ پس خدا تعالےٰ نے تمام تدابیر رزق مہیا کر دیں۔ اب اگر خود انسان انکو کام میں نہ
لائے۔ تو یہ اس کا خود اپنا قصور ہے۔ مگر ایسی صورتوں میں جبکہ کمی رزق خدا کیطرف سے ہو۔
تو وہ بھی کسی ایسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ضرور ہوگی جس کو انسان خود اپنی نافہمی کی وجہ سے نہیں
سمجھ سکتا اور خدا کی حکمت میں یہ کمی اس کے لئے مناسب ہے۔ ورنہ خدا جانے کیا کیا فساد برپا
کرے جن پر اس وجہ سے وہ نہیں کامیاب ہوتا +

اسی طرح اختلاف مراتب کا مقرر کرنا بھی بالکل قرین عدل اور عین انصاف پر مبنی ہے۔
کیونکہ بنیاد مدارج چار ہیں۔ دولت۔ قوت۔ علم اور عمل۔ دنیا میں اگر سب لوگ ایک ہی درجہ کے دولتمند
ہوں یا سب لوگ فقیر ہوں۔ تو نظام عالم قائم نہ ہوگا۔ نہ کوئی کسی کی تابعداری کریگا۔ اس صورت
میں دنیا کے تمام کام بند ہو جائینگے۔ بلکہ دنیا کے انتظام میں فساد عظیم پیدا ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر
سب کی قوت جسمانی ایک ہی ہو جائے تب بھی مادہ فرمانبرداری باقی نہ رہیگا۔ اور اگر سب لوگ
علم و عمل ہی کو اختیار کر لیں۔ تو پھر ضرورتیں انسانی زندگانی کی تمام مسدود ہو جائینگی۔ پس ان دلائل سے
سے ثابت ہوا کہ جملہ صدمات و صعوبات اور آلام و اسقام دنیوی منافی عدالت نہیں۔ بلکہ عین انصاف
پر مبنی ہیں۔ تفسیر لوامع التنزیل میں تفصیل سے اس مسئلہ میں بحث کی گئی وہو العالم۔ حائری +

سوال۔ انسان جب سو جاتا ہے۔ تو اس کو مختلف قسم کی خوابیں آیا کرتی ہیں۔ اس کی
علت اور وجہ کیا ہے۔ وہ دوسرے ملک کے حالات کیونکر خواب میں دیکھا کرتا ہے۔ ایسے
خواب قابل اعتبار ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ مرزا صاحب قادیانی مدعی نبوت و مہدویت نے تو
اپنے مذہب کی بنیاد ہی خوابوں پر قرار دے رکھی ہے۔ اس لئے اس کی توضیح کی ضرورت ہے
امید ہے کہ اس کی اصلیت سے مطمئن فرمائینگے +

الجواب۔ حکماء نے لکھا ہے کہ خواب سے مراد رہودگی اور پوشیدہ ہونا روح کا ہے ظاہر

سے باطن ہیں - یعنے جس وقت روح حیوانی) یعنے وہ بخار لطیف جو اخلاط اربعہ کے امتزاج
سے پیدا ہوتا ہے - اس کا ارتباط اور پیوستگی بہ نسبت حواس ظاہری کے حواس باطنی
اور نفس کے ساتھ زیادہ ہو جائے - تو اس حالت کو نوم اور خواب کہتے ہیں - وجہ اس
حالت کے پیدا ہونے کی یہ ہوتی ہے - کہ بسبب زیادتی بخارات کے جب رطوبات بدنی
دماغ کی جانب متصاعد ہوتے ہیں - تو حواس ظاہری جو کہ اشغال و محنت کی وجہ سے
کسلمند ہوتے ہیں - ادراک محسوسات سے معطل ہو جاتے ہیں اور طبیعت راحت و
آرام کی جانب رغبت کرتی ہے - لہذا تمام قوے میں ایک نوع کا فتور پیدا ہو جاتا
ہے - یہ ہے حقیقت اور اصلیت خواب کے آنے کی ؎

خوابوں کی حقیقت اور اس کے اقسام اور تعبیروں کا بیان

حکماء نے خواب کی تین قسمیں بیان کی ہیں - قسم اوّل تو رویائے صادقہ ہوتے ہیں
یعنے وہ کیفیات جو بحالت خواب دکھائی دیتے ہیں - وہ بلا تغیر و تفاوت حالت بیداری
میں ظاہر ہو جاتے ہیں - ایسے خوابوں کے سچ ہونے کی وجہ حکماء نے یہ بتائی ہے - کہ
تمام موجودات تماثیل جواہر عقلیہ و عالم عقول میں ثابت و قائم ہیں - اسی عالم عقول کو عالم روحانی
اور جواہر بھی کہا جاتا ہے - اصطلاح شریعت میں اسی سے مراد لوح محفوظ ہے - پس جب وقت
خواب نفس کو اشتغال حواس سے فراغت ملی تو اس کو عالم روحانی اور لوح محفوظ سے اتصال
حاصل ہو جاتا ہے - اور صورتیں اشیاء کی جو لوح محفوظ میں ہیں - وہ نفس میں منطبع ہوتی ہیں جیسے
کوئی صورت ایک آئینہ میں منعکس ہو - تو وہ دوسرے آئینہ میں بھی جو محاذ میں رکھا جائے ضرور
منعکس ہو گی - اور جب لوح محفوظ سے انطباع ان صورتوں کا نفس میں ہوا - تو اگر وہ صورتیں
پسندیدہ ہیں تو دوبارہ انطباع ان کا نفس سے قوۃ مصورہ یعنے لوح حس مشترک میں ہوتا ہے
اور قوت حافظہ ان صورتوں کو اسی حالت پہ تا وقت بیداری محفوظ رکھتی ہے - بدون اس
کے کہ متخیلہ اپنا تصرف ان صورتوں میں کر سکے - یا یہ ان کے مشابہ یا متضاد صورتیں حس
مشترک میں مرتسم کر سکے - پس ایسے خواب بے کم و کاست خارج میں ظاہر ہو جاتے ہیں ؎

قسم دوم - رویائے معبرہ کے نام سے موسوم ہیں - یعنے جو خواب کہ تعبیر کے محتاج
ہیں - اور جس طرح کہ دیکھے گئے ہیں بعینہ اس کے مطابق خارج میں ظاہر نہیں ہوتے -
بلکہ ان چیزوں کے مشابہ یا ان کے برخلاف خارج میں واقع ہوتے ہیں - پس حکماء کے
نزدیک ہر صاحب دانش کے لئے لازم ہے کہ ایسے خوابوں کی تعبیر ان چیزوں کے مشابہ
یا برعکس جو کہ خواب میں دیکھی گئی ہیں بمناسبت احوال بینندہ خواب دیا کرے - حدیث
میں تعبیر خواب کے متعلق آیا ہے - مَا قُصَّ وَقَعَ یعنے جو تعبیر خواب کی دیجائیگی وہی پوری ہوگی
حکماء کے نزدیک تعبیر خواب بلحاظ اشخاص و اوقات و عادات کے مختلف ہوتی ہیں
بلکہ ایک شخص کے ساتھ مختلف وقتوں میں مختلف تعبیر ہوتی ہے اور تعبیر سے مراد یہ ہے -

کہ جو صورت خواب میں دیکھو۔ اس میں فکر کرو۔ کہ اصل میں وہ کیا چیز ہے۔ کیونکہ ممکن ہے خواب دیکھنے والے کے نفس نے ایک چیز کو دیکھا۔ اور بوقت بیداری متخیلہ نے اس کو دوسری صورت میں بدل دیا۔ اس قسم کے خواب دیکھنے کی یہ وجہ ہوتی ہے۔ کہ قوت متخیلہ اگر قوی ہوئی اور نفس ضعیف ہوا۔ تو متخیلہ سرعت کر کے جو صورت کہ نفس نے دیکھی ہے اُس کو ایسی صورت کے ساتھ مبدل کر دیتی ہے۔ کہ جو اس سے مشابہ و مماثل ہے یا کبھی ایسی صورت میں تبدیل کر دیتی ہے جو کہ اس کی ضد ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ذہن کسی چیز کے دیکھنے یا اس کے ذکر سے فوراً اس کی ضد کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر ذکر رات کا آئیگا تو فوراً انتقال ذہن کا دن کی جانب ہو جائیگا +

قسم سوم۔ اضغاث احلام (خوابہلئے پریشان) ہیں۔ یہ وہ قسم ہے خوابوں میں جس کی کچھ بھی اصلیت نہیں ہوتی۔ ایسے خواب ان نفوس کو دکھائی دیتے ہیں جو آلایش دنیا اور محسوسات میں متوجہ رہتے ہیں۔ معقولات اور امورات آخرت سے غافل بلکہ بے پرواہ رہتے ہیں۔ مرزا صاحب قادیانی کے خواب اسی قبیل سے ہوتے ہونگے +

سبب ایسے خوابوں کا یہ ہوتا ہے کہ امزجہ اور احوال بدن مختلف ہوتے ہیں اور قوت متخیلہ ایسے اشخاص کی مضطرب رہتی ہے۔ لہذا مختلف قسم کی صورتیں حس مشترک پر مرتسم کیا کرتی ہے۔ اور اگر متخیلہ قوی ہوئی تو وہ بے اصل صورتیں جو کہ خارج میں وجود نہیں رکھتیں۔ حافظہ میں بیدار ہونے تک باقی رہتی ہیں + اب مرزا صاحب قادیانی کے خوابوں کی حقیقت آپ خود سمجھ لیں کہ خوابوں کی ان قسموں میں سے کونسے قسم میں وہ شامل ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے خوابی و خیالی مذہب کی کہاں تک صداقت اور حقیقت ثابت ہو سکتی ہے۔ وہو العالم۔ حائری +

سوال۔ لاریب خدا تعالے واجب الوجود اور قدیم ہے۔ اور تمام مخلوق حادث ہے لیکن تشریح طلب یہ امر ہے کہ حادث کیوں ممکن الوجود ہے۔ اور اس کا کیا مطلب ہے کہ حادث قدیم کا محتاج ہے۔ اس کے ملازمت کی دلیل کیا ہے؟

الجواب۔ اصل سوال میں کچھ ابہام ہے۔ مگر سوال کا جو مفہوم ہمارے ذہن میں آیا ہے اس کے لحاظ سے صورت سوال کی دو شقیں ہیں۔ ایک تو قدیم کے متعلق ہے جس پر عدم ناجائز ہے۔ کیونکہ اگر وہ واجب الوجود ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر عدم محال ہے اور اگر ممکن الوجود ہے۔ تو یہ ممکن یا واجب الوجود سے مستند ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر واجب الوجود سے مستند ہوگا تو اس کی نفی سے واجب الوجود کی نفی لازم آئیگی! اور یہ محال ہے۔ اس لئے کہ معلول کی نفی سے علت کی نفی لازم آتی ہے۔ اور واجب الوجود کی نفی قطعاً محال ہے +

دوسری شق یہ ہے۔ کہ ہر حادث کے لئے کوئی موثر ضرور ہے جس کا وہ محتاج ہے اور یہ امر عیان ہے محتاج بیان نہیں۔ یہانتک کہ حیوان بھی اگر کسی لکڑی کی آہٹ کو محسوس کرتا ہے۔ تو اپنی چال تیز کر دیتا ہے۔ اگرچہ وہ کسی کو نہ دیکھے۔ اور یہ امر صرف اسی وجہ

سے ہے کہ اس کی طبیعت میں یہ امر جاگزین ہے۔ کہ وہ آواز جو لکڑی کی حادث ہوئی ہے ضرور کسی حادث کرنے والے ہی کے سبب سے ہے۔ اور یہ حادثہ کے مؤثر کی طرف محتاج ہونے پر دلیل ہے۔ کہ لازماً ہر حادث ممکن ہے۔ اور جو ممکن ہے وہ مؤثر کا محتاج ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہر حادث مؤثر کا محتاج ہے ✣

مقدمہ اولےٰ اس طرح ثابت ہے کہ جو پہلے موجود نہ تھا پھر موجود ہوا۔ وہ حادث ہے پس کبھی وہ عدم سے موصوف ہوا۔ اور کبھی وجود سے۔ پس وہ ضرور عدم اور وجود کے قبول کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور اگر قابلیت اس اتصاف کی نہ ہوتی۔ تو اُس کا وجود محال ہوتا۔ اور ممکن وجود اور عدم سے متصف ہوتا ہے۔ اور ماہیت ممکن کا وجود اور عدم سے متصف ہونا بغیر اپنے اقتضائے ذاتی کے ممکن نہیں ہے۔ اسی کو امکان ماہیت کہتے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ جو حادث ہے وہ لازماً ممکن بھی ہے ✣

مقدمہ ثانیہ۔ کا ثبوت یہ ہے کہ جب ممکن کا وجود اور عدم دونوں اس کے ذاتی اقتضاء سے ہوا۔ تو وجود و عدم کی نسبت اس کی ذات کی طرف یکساں ہوگی اور اس حالت میں تو ضرور ہے کہ جب ذات ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ متصف ہوگی۔ تو مرجح کی محتاج ہوگی۔ کیونکہ وہ دونوں طرف وجود اور عدم کے جو مفروض ہیں ذاتی ہیں۔ اور ممکن کی نسبت ان دونوں کی طرف برابر ہے۔ پس ان میں سے ایک کو ترجیح دے دینا بغیر مرجح کے محال ہے۔ مثلاً ترازو کے دونوں پلے جب برابر فرض ہوں تو بدوں کسی وزنی شئے کے جو ایک پلہ کو جھکا دے ایک پلے کا خود بخود جھک جانا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ بدیہی ہے محسوسات اور غیر محسوسات یعنے عقلیات میں اس کا حکم مساوی ہے۔ محسوسات میں اس کی مثال ترازو کے پلوں سے بیان ہو چکی۔ اور عقلیات میں مثال اس کی یہ ہے کہ جب کوئی مشکوک مسئلہ پیش آتا ہے۔ جس میں مثلاً نفع و ضرر کا پہلو مساوی معلوم ہوتا ہے تو اس میں بغیر مرجح کے کوئی حکم نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً پیاسے کے سامنے دو پانی رکھے جائیں اور سب حیثیتوں سے وہ دونوں پانی مساوی حالت میں ہوں تو بغیر وجہ کسی مرجح کے انسان ایک پانی پینا اختیار نہ کرے گا۔ مثلاً پانی کا قریب ہونا یا داہنی جانب ہونا۔ جو جانب قوی ہے۔ پس اب صاف ثابت ہو گیا اس دلیل سے کہ جو حادث ہے وہ لازماً ممکن ہے اور جو ممکن ہے وہ لازماً محتاج مؤثر کا ہے پس ممکن بھی محتاج مؤثر کا ہے۔ وہو العالم نمقہ

خادم الشریعۃ المطہرہ

علی الحائری

موچی دروازہ

محلہ شیعیان لاہور